الهدیۃ الرضیۃ للحضرۃ الغوثیۃ الملقبۃ بہ

# تسکین الخواطر

فی مسئلۃ

# الحاضر والناظر

از قلم

غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور

مکتبہ حامدیہ

گنج بخش روڈ نزد چوک بازار داتا صاحب رح لاہور

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (القرآن)

مسئلہ حاضر و ناظر پر ایک معرکۃ الآراء اور مدلل تصنیف

# تَسْكِيْنُ الْخَوَاطِرِ
## فِی
# مَسْئَلَةِ الْحَاضِرِ وَ النَّاظِرِ

تصنیف

غزالیٔ زماں محقّقِ دوراں علامہ السیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور

ناشر

غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور

حامدیہ لائبریری
رقم المسلسل
جامعہ اسلامیہ لاہور

ملنے کا پتہ

مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور

کتابت: شاہ محمد قصوری کوٹ محمود پورہ قصور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# الاہداء

اس ناچیز تالیف کو سیّدنا الغوث الاعظم حضور سیّد محی الدّین عبد القادر الجیلانی الحسنی الحسینی رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عظمت پناہ میں پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں جن کی روحانی امداد و اعانت سے مجھ جیسے ہیچمدان کو اس کی ترتیب و تدوین کی توفیق حاصل ہوئی ؏

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

سگِ درگاہِ جیلانی
فقیر احمد سعید کاظمی غفرلہٗ


ناشر ---------------- غلام رسول سعیدی
ملنے کا پتہ ---------------- مکتبہ حامدیہ لاہور
کتابت ---------------- شاہ محمد قصوری
مطبع ----------------
قیمت ---------------- (8) 10 - 30
تعداد ---------------- گیارہ سو

# لفظِ حاضر و ناظر کے معنٰے کی تحقیق

حاضر کا مادہ "حضر" اور ناظر کا مادہ "نظر" ہے۔ حضر سے "الحضور" مصدر بنا جس سے حاضر مشتق ہوا۔ حضر، حضور اور حاضر کے بہت سے معنٰے کتبِ لغت میں مرقوم ہیں۔ مثلاً حضر کے معنٰے پہلو، نزدیکی، صحن، حاضر ہونے کی جگہ وغیرہ ہیں۔ اور حاضر کے معنٰے شہروں اور بستیوں میں رہنے والا، بڑا قبیلہ وغیرہ آتے ہیں یہ تمام معانی منجد، مختار الصحاح اور مجمعِ بحار الانوار وغیرہ کتابوں میں درج ہیں[1]۔

ان کے علاوہ جن معنٰے سے ہماری بحث خصوصیت کے ساتھ متعلق ہے ان کی تفصیل یہ ہے حضر، حضرۃ، حضور سب کے معنٰے ہیں سامنے ہونا، اور حاضر کے معنٰے ہیں سامنے ہونے والا۔

جو چیز کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے ہو اسے حاضر کہتے ہیں۔ منجد، صراح اور مختار الصحاح میں ہے کہ حضرۃ اور حضور غیبۃ کی ضد ہیں[2]۔ اور

---

[1] منجد صـ۱۳۴ الحضر ایضاً والحضرۃ خلاف الغیبۃ، الجنب، القرب، ایضاً مکان الحضور ذاتہ الحاضر ایضاً الحی العظیم۔ الحاضر(ة) ساکن الحضر خلاف البادی۔ مجمع بحار الانوار جلد اول صـ۲۷۵ الحاضر المقیم فی المدن والقریٰ مختار الصحاح صـ۱۵۹ (حاضر) بموضع کذا ای مقیم بہ۔

[2] صراح صـ۱۷۰ حضور حاضر شدن نقیض الغیبۃ (حضور کے معنٰے حاضر ہونا غیبۃ کی نقیض ہے۔) مختار الصحاح صـ۱۵۹ الحضور ضد الغیبۃ (حضور غیبت کی ضد ہے)، یقال حضرت القاضی امرأۃ (کہا جاتا ہے قاضی کے سامنے عورت حاضر ہوئی)

لغتِ قرآن کی مشہور کتاب مفرداتؔ امام راغب اصفہانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو چیز سامنے نہ ہو یعنی حواس سے دور آنکھوں سے پوشیدہ ہو اسے غائب اور غیب کہتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ حاضر غائب کی ضد ہے اور اس کے بعد یہ بھی معلوم ہوگیا کہ غائب اسے کہتے ہیں جو حواس سے دور ہو اور نگاہوں کے سامنے نہ ہو تو اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حاضر اسی کو کہا جائے گا جو حواس سے پوشیدہ نہ ہو اور کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے موجود ہو۔

ہمارے اس روشن بیان سے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ لفظِ حاضر اپنے حقیقی لغوی معنے کے اعتبار سے اللہ تعالےٰ کی شان کے ہرگز لائق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شہروں اور بستیوں میں رہنے اور قبیلہ ہونے سے پاک ہے۔ جتنے معانی لفظِ حاضر کے منقول ہوئے اللہ تعالےٰ ان سب سے منزّہ و مبرّا ہے۔ قرآنِ کریم شاہد ہے کہ اللہ تعالےٰ حواس اور نگاہوں کے ادراک سے بھی بلند و بالا ہے۔ دیکھئے قرآنِ مجید میں ہے لاتدرکه الابصار وھو یدرك الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ "آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں وہ تمام آنکھوں کا ادراک فرماتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے۔"

حاضر کے بعد لفظِ "ناظر" کے معنے کی تحقیق سنئے۔ مختار الصحاحؔ میں ہے آنکھ کے ڈھیلے کی سیاہی کو جس میں آنکھ کا تل ہوتا ہے، ناظر کہتے ہیں اور کبھی آنکھ کو ناظرہ کہا جاتا ہے۔

---

۱؎ مفردات راغب مطبوعہ مصر ص۳۷۲ / ص ۳۷۳ الغیب مصدر غابت الشمس وغیرہا اذا استترت عن العین یقال غاب عنی کذا قال اللہ تعالیٰ ام کان من الغائبین واستعمل فی کل غائبۃ عن الحاسۃ والغیب غابت الشمس کا مصدر ہے۔ جب سورج وغیرہ آنکھ سے اوجھل ہو جائے یعنی نگاہوں کے سامنے نہ رہے تو محاوراتِ عرب میں غابت الشمس کہا جاتا ہے۔ ایک محاورہ غاب عنی کا بھی ہے (فلاں چیز مجھ سے غائب ہوگئی) قرآنِ کریم میں حضرتِ سلیمان علیہ السلام کا مقولہ ہے "کیا ہے؟" میں ہدہد کو نہیں دیکھتا ام کان من الغائبین، کیا وہ غائب ہے؟ اہلِ علم غور فرمائیں کہ معانی منقولہ کے اعتبار سے کیا اللہ تعالےٰ پر لفظِ حاضر کا اطلاق ممکن ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں! تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیراً ۱۲ منہ

۲؎ مختار الصحاح ص ۶۹۱ والناظر فی المقلۃ السواد الاصغر الذی فیہ انسان العین وقد یقال للعین الناظرۃ ۱۲

ناظر کا ماخذ نظر ہے۔ مفرداتِ راغب، مختار الصحاح، منجد اور صراح میں نظر کے حسبِ ذیل[1] معنیٰ منقول ہیں:-

کسی امر میں تدبر اور تفکر کرنا، کسی چیز کا اندازہ کرنا، آنکھ کیساتھ کسی چیز میں غور و تامل کرنا، اور کسی چیز کا ادراک کرنے یا اسے دیکھنے کی غرض سے بصر و بصیرت کو پھیرنا۔ اس کے علاوہ نظر سے کبھی تامل و تلاش کے معنے بھی مراد لئے جاتے ہیں۔ اور کبھی اس سے وہ معرفت اور رویت مراد ہوتی ہے جو تلاش کے بعد حاصل ہو۔

امامِ راغب[2] اصفہانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کیطرف نظر فرمانے کے معنیٰ دیکھنا نہیں بلکہ صرف یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان فرماتا اور انہیں اپنی نعمتیں پہنچاتا ہے۔ جیساکہ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ (اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا) مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار پر اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام و احسان نہ ہوگا۔

تفسیر روح[3] المعانی میں اسی آیۂ کریمہ کی تفسیر میں ہے لا ینظر الیھم کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ "کفار"، پر مہربانی اور رحم نہیں فرمائے گا۔ اس کے بعد صاحبِ تفسیر[4] فرماتے ہیں کہ جس کے حق میں لفظ "نظر" کا استعمال جائز نہیں (جیسا کہ اللہ تعالیٰ) اس کے لئے اگر یہ لفظ کبھی استعمال ہوا ہے تو وہ اپنے اصلی معنیٰ سے مجرد ہے اور صرف احسان کے معنٰے میں ہے۔

---

[1] مفرداتِ راغب ص۵۱۷ النظر تقلیب البصر والبصیرۃ لادراک الشیٔ ورؤیتہ وقد یراد بہ التامل والفحص وقد یراد بہ المعرفۃ الحاصلۃ بعد الفحص وہو الرؤیۃ۔ مختار الصحاح ص۶۹۱ و النظر والنظران بفتحتین تامل الشیٔ بالعین منجد ص۸۹ نظر ینظر نظراً ومنظراً ومنظرۃ وتنظاراً ونظراناً والیہ البصرہ وتاملہ بعینہ۔ نظر نظراً فی الامر تدبرہ وفکر فیہ یقدرہ ویقیہ الشیٔ۔ صراح مطبوعہ مجیدی کانپور ص۲۱۴ نظر نظراً بفتحتین نظران نگریستن در چیزے بتامل یقال نظرت الی الشیٔ ۱۲ [2] مفردات امام راغب ص۵۱۷ ونظر اللہ تعالیٰ الی عبادہ وہو احسانہ الیہم وافاضۃ نعمۃ علیہم قال ولا یکلمہم اللہ ولا ینظر الیہم یوم القیامۃ ۱۲ [3] روح المعانی ص۱۸۰ پ۳ تحت آیہ کریمہ ولا ینظر الیھم الآیۃ: ای لا یعطف علیھم و لا یرحمھم ۱۲ [4] ثم جاء نی من لا یجوز علیہ النظر مجرداً لمعنی الاحسان ۱۲

مجمع بحار الانوار لغتِ حدیث کی مشہور کتاب میں ہے کہ حدیثِ پاک ان اللہ لاینظر الی صورکم الی اخر الحدیث میں نظر کے معنے دیکھنا نہیں بلکہ یہاں پسندیدگی رحمت اور مہربانی مراد ہے۔ اس کے بعد صاحبِ بحار الانوار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی نظر کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیتا ہے اور ان کا محاسبہ فرماتا ہے۔

اس روشن اور مدلل بیان کو پڑھ کہ ہمارے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ ان دونوں لفظوں کے اصلی اور حقیقی معنیٰ اللہ تعالےٰ کے شایانِ شان نہیں بلکہ ان معنے سے اللہ تعالےٰ کا پاک ہونا یقینی امر ہے۔

اس کے بعد یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جب حاضر و ناظر کے اصلی معنیٰ سے اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا واجب ہے تو ان لفظوں کا اطلاق بغیر تاویل کے ذاتِ باری تعالیٰ پر کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں حاضر و ناظر کوئی نام نہیں اور قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے وارد نہیں ہوا۔ نہ سلف صالحین نے اللہ تعالےٰ کے لئے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالےٰ کے لئے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔

اور اسی لئے متاخرین کے زمانہ میں بعض لوگوں نے اللہ تعالےٰ کو حاضر و ناظر کہنا شروع کیا تو اس دور کے علماء نے اس پر انکار کیا بلکہ بعض علماء نے اس اطلاق کو کفر قرار دے دیا۔ بالآخر یہ مسئلہ (کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا کفر ہے یا نہیں) جمہور علماء کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ اس میں تاویل ہو سکتی ہے اس لئے یہ اطلاق کفر نہیں۔ اور تاویل یہ کی "حضور" کو مجازاً علم کے معنے میں لیا جائے اور "نظر" کے مجازی معنی رؤیت مراد لے لئے جائیں۔ اس تاویل کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہا جائے گا تو یہ اطلاق علیم و بصیر اور

عالم من یریٰ کے معنےٰ میں ہو گا ملاحظہ فرمایئے درمختار اور شامی[1]۔

رہا یہ سوال کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا کفر قرار دے دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب درمختار کا "یا حاضر یا ناظر لیس بکفر" کہنا ہی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ بعض علماء نے اس کو کفر کہا تھا ورنہ صاحب درمختار کا یہ قول بالکل لغو اور بے معنیٰ قرار پائے گا کیونکہ جب تک کوئی امر قابل انکار اور لائق تردید موجود نہ ہو اس وقت تک انکار اور تردید ممکن ہی نہیں۔ دیکھئے! آج تک کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو رحمٰن و رحیم کہنا کفر نہیں کیوں؟ محض اس لئے کہ کبھی کسی نے اللہ تعالیٰ کو رحمٰن و رحیم کہنا کفر قرار ہی نہیں دیا معلوم ہوا کہ بعض علماء نے اللہ تعالےٰ کو حاضر و ناظر کہنا اسی لئے کفر قرار دیا تھا کہ ان دونوں لفظوں کے لغوی معنیٰ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں لیکن جمہور علماء نے ان کو لغوی معنیٰ سے پھیر کر تاویل کر لی اور تاویل کے بعد حاضر و ناظر کے اطلاق کو اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز رکھا۔ اس تحقیق سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ بغیر تاویل کے اللہ کو حاضر و ناظر کہنا قطعاً جائز نہیں۔

اس کے بعد یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حاضر و ناظر کے اطلاق کو کفر و شرک کہتے ہیں یا تو وہ حاضر و ناظر کے معنیٰ نہیں سمجھتے یا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا جیسا سمجھ لیا ہے کہ ایسے الفاظ کو

---

[1] شامی جلد ۳ ص ۳۳۷ (د یا حاضر یا ناظر لیس بکفر) صاحبِ درمختار فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کو یا حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں ہے" اس پر علامہ شامی رقمطراز ہیں قوله لیس بکفر فان الحضور بمعنی العلم شائع ما یکون من نجوی ثلاثة الا وهو رابعهم والنظر بمعنی الرؤیة الم یعلم بان الله یریٰ فالمعنی یا عالم یا من یریٰ بزازیه "لیس بکفر" کی وجہ یہ ہے کہ یا حاضر یا ناظر میں تاویل ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ "حضور" کے معنے میں عالم طور پر مستعمل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما یکون من نجوی ثلاثة الا هو رابعهم کوئی سرگوشی تین افراد کی نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے معلوم ہوا کہ کوئی فرد علمِ الٰہی سے باہر نہیں ہے اسی طرح یا حاضر یا عالم کے معنے میں ہو گا۔ اور نظر رؤیت کے معنیٰ میں مستعمل ہے اور رؤیت اللہ تعالےٰ کے لئے ثابت ہے قرآنِ کریم میں ہے الم یعلم بان الله یریٰ لہٰذا یا حاضر یا ناظر یا عالم یا من یرٰے کے معنے میں ہوا۔ ۱۲ منہ

اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرتے ہیں جن کے معنے لغوی صرف بندوں کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں ان کا تصور بھی نہیں ہو سکتا فالی اللہ المشتکی۔

ممکن ہے اس مقام پر یہ اعتراض کیا جائے کہ فی زمانہ لفظِ حاضر و ناظر سمیع و بصیر اور علیم و خبیر یا بالفاظ دیگر عالم و من یریٰ (جاننے والا اور دیکھنے والا) کے معنٰی میں اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا جاتا ہے اس لئے حضور کے حق میں اس کا استعمال انہی معنی کا وہم پیدا کرے گا لہٰذا حضور کو حاضر و ناظر کہنا موہم شرک ہے۔

اس کے جواب میں اگرچہ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ معترض کے ایہام شرک کی جڑیں ان ہی آیاتِ قرآنیہ سے کٹ جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خاص ناموں مثلاً رؤف، رحیم، شہید وغیرہ سے موسوم کیا ہے مگر مزید اطمینان کے لئے گزارش ہے کہ جس امر کو آپ ایہامِ شرک کی بنیاد قرار دے رہے ہیں بعینہٖ وہی امر قرآنِ مجید کی روشنی میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہے دیکھئے سمیع، بصیر، علیم، خبیر، عالم اور من یریٰ سب کا اطلاق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر قرآن مجید میں موجود ہے آیہ کریمہ انہ ھو السمیع البصیر ۱۵پ رکوع میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمیع و بصیر کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول فاسئل بہ خبیرا ۱۹پ ع۳ سے حضور کا خبیر ہونا ثابت ہے اور وھو بکل شیئ علیم پ۱ ع نیز فوق کل ذی علم علیم ۱۳پ ع۳ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علیم[1] فرمایا گیا ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس آیہ کریمہ فسیری اللہ عملکم و رسولہ میں یریٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کے عمل دیکھتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھتے ہیں۔

---

[1] وقال ابن الفرجی العلوم یتقارب علی مقدار الطبائع والتعلیم الیٰ ان یتولیٰ من یتلقف العلم من الحق و رزق العلم اللدنی فذالک الذی لا عالم فوقہ من الخلق (عرائس البیان مطبوعہ نول کشور لکھنؤ جلد اول ص۳۵) ۱۲ منہ

اب بتایئے کہ قرآن کریم کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر سمیع و بصیر، علیم و خبیر اور عالم دمن یرے کا اطلاق ثابت ہوا یا نہیں، اس کے بعد آپ کے ایہامِ شرک کی بنیادیں کہاں ہیں؟

شاید ہمارے ناظرین کرام کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ آیاتِ منقولہ کی تفسیر میں کسی مفسر کا حوالہ نہیں دیا گیا تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ان آیاتِ قرآنیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اطلاقاتِ مذکورہ کے قول میں مجھے منفرد نہ سمجھئے بلکہ مندرجہ ذیل مفسرینِ کرام و علمائے اعلام اس قول میں میرے ساتھ ہیں:۔

۱۔ علامہ اسمٰعیل حقی آفندی حنفی صاحب تفسیر روح البیان۔

۲۔ علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی صاحبِ تفسیر روح المعانی۔

۳۔ علامہ ابوالبقاء۔ ۴۔ علامہ حلبی۔ ۵۔ علامہ طیبی۔

۶۔ علامہ سبکی۔

۷۔ شیخ اجل شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔

۸۔ علامہ زرقانی۔ ۹۔ علامہ صاوی

اگر آپ کو یقین نہ ہو تو ان کی اصلی عبارات مع خلاصہ ملاحظہ فرمایئے:۔

۱۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیۂ کریمہ انہ ھو السمیع البصیرہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ سمیع و بصیر ہیں جس کے متعلق حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ "میں اس کی سمع ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ سے سنتا ہے اور میں اسکی بصر ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ سے دیکھتا ہے"۔ لہٰذا آیۂ کریمہ کی تحقیق یہ ہوئی کہ "ہم نے اپنے عبدِ مقدس کو اس لئے معراج کرائی کہ ہم اسے اپنی وہ نشانیاں دکھائیں جو ہمارے جلال و جمال کے ساتھ خاص ہیں"۔ بے شک وہی عبدِ مقدس (محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری سمع کے ساتھ سمیع اور ہماری بصر کے ساتھ بصیر ہیں، بے شک وہ ہمارا کلام ہماری سمع سے سنتے اور ہمارا جمال ہماری بصر سے دیکھتے ہیں[1]

---

[1] روح البیان ص۱۰۶ فی التاویلات وفی قولہ انہ ہوالسمیع البصیر اشارۃ الی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بقیہ ص ۱۰ پر)

۲- انه هو السمیع البصیر کی ضمیر جب رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹائی جائے جیسا کہ ابوالبقاء نے بعض علماء سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ انه هو السميع البصير کے معنیٰ یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا کلام سننے والے اور ہماری ذات کو دیکھنے والے ہیں۔ علامہ حلبی نے کہا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اس ضمیر کا راجع کرنا بعید نہیں۔ اس کے بعد صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ کے غیر پر سمیع وبصیر کا اطلاق ممنوع نہیں جیسا کہ بعض لوگ وہم کرتے ہیں نہ اس آیت میں ممنوع ہے نہ مطلقاً۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ آیہ کریمہ انه هو السميع البصير میں ایسی ضمیر کا لانا جو دونوں امر کا احتمال رکھتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی اس بات کیطرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العزت کی ذاتِ پاک کو دیکھا اور اس کے کلام مبارک کو اسی کے سمع مبارک سے سنا جیسا کہ ابھی ابھی حدیثِ قدسی کنت له سمعا میں اشارہ گزر چکا ہے لہٰذا اس امر کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے [1]

۳- "بصیر" علیم کے معنے میں ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے انه هو السميع البصير

---

(بقیہ ص۹) ہو السمیع الذی قال اللہ (کنت له سمعا فبی یسمع وبی یبصر) فتحقیقه لنریه من آیاتنا المخصوصة بجمالنا وجلالنا انه ہو السمیع بسمعنا البصیر ببصرنا فانه لا یسمع کلامنا الا بسمعنا ولا یبصر جمالنا الا ببصرنا ۱۲

[1] روح المعانی پ۱۵ ص۱۳ واما علی تقدیر کون الضمیر للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کما نقله ابو البقاء عن بعضهم وقال السمیع لکلامنا البصیر لذاتنا وقال الحلبی انه لا یبعد۔ اس کے بعد لکھتے ہیں ولا یمتنع اطلاق السمیع والبصیر علی غیرہ تعالیٰ کما توہم لا مطلقا ولا ہنا۔ قال الطیبی ولعل السر فی مجیئ الضمیر محتملا للامرین الاشارة الی انه صلی اللہ علیہ وسلم انما رای رب العزة وسمع کلامه به سبحانه کما فی الحدیث المشار الیه آنفا فافہم تسمع وتبصر ۱۲

[2] زرقانی شریف جلد ۳ ص۱۲۴ (البصیر) ای العلیم حکی السبکی فی تفسیر انه ہو السمیع البصیر ان الضمیر للنبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ومعنے وصفه بہما انه الکامل فی السمع والبصر الذین یدرک بہما الآیات التی یریه ایاہا اس کے بعد فرماتے ہیں فالاظہر ان المعنے السمیع لکلام اللہ بلا واسطة البصیر ای الناظر الی نور جماله بعین بصرہ وہذا مما اختص به انتہیٰ ۱۲

کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ یہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور ان دونوں صفتوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موصوف کرنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمع و بصر کی ان دونوں صفتوں میں کامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کا ادراک کیا جا سکتا ہے جو اللہ تعالےٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانا چاہتا ہے لہٰذا آیہ کریمہ کے روشن معنے یہ ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کلام کو بلا واسطہ سننے والے اور اس کے نورِ جمال کو اپنی عینِ بصر سے دیکھنے والے ہیں اور یہ وہ کمال ہے جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختص ہیں۔

۴ــ وھو بکل شیٔ علیم[لہ] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں کو جاننے والے ہیں خواہ ذاتِ الٰہی کی شانیں ہوں یا احکامِ خداوندی ہوں یا اللہ تعالیٰ کے صفات اور افعال و آثار ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام علوم ظاہر و باطن، اول و آخر کا احاطہ فرمایا ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم فوق کل ذی علم علیم کا مصداق ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی افضل ترین رحمتیں اور کامل ترین تحفے ان پر نازل ہوں۔

۵ــ قولِ[لہ] خداوندی فاسئل بہ خبیرًا کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی ایسی ہستی سے سوال کرو جو اس کی صفات کا عالم ہو۔ وہ تمہیں مخفی علوم سے خبردار کرے گا اور اختلاف سائل کے اعتبار سے خبیر مختلف ہو جاتا ہے۔ اگر سائل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں تو خبیر اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اگر سائل حضور کے اصحابِ کرام ہوں تو خبیر خود نبی کریم

---

لہ مدارج النبوۃ جلد اول مطبوعہ نول کشور ص۳ "وہو لکل شیئ علیم" وی صلی اللہ علیہ وسلم دانا است بر ہمہ چیز از شیونات ذاتِ الٰہی و احکام صفاتِ حق و اسماء و افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن اول آخر احاطہ نمودہ و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوٰۃ افضلہا و من التحیات اتمہا و اکملہا ۱۲

لہ صاوی جلد ۳ ص۱۳۶ مطبوعہ مصر والمعنی اسئل بہ خبیرًا ای عالمًا بصفاتہ یطلعک علی ماخفی علیک والخبیر یختلف باختلاف السائل فان کان السائل النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فالخبیر ہو اللہ وان کان السائل اصحابہ فالخبیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان کان السائل التابعین فالخبیر الصحابۃ عن النبی عن اللہ ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اگر سائل تابعین ہوں تو خبیر صحابہ کرام ہوں گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کر کے خبر دیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے علم لے کر خبیر ہوں گے۔

علاوہ ازیں یہ چاروں اسماءِ مبارکہ سمیع و بصیر، علیم و خبیر جن کو ایہام شرک کی بنیاد قرار دے رہے ہیں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں شامل ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

مدارج النبوۃ[1]، مواہب اللدنیہ[2]، زرقانی شریف[3]

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے۔ قرآن کریم کو ملاحظہ فرمائیے اس میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو علیم فرمایا ہے۔ سورۂ ذاریات میں ہے، وبشروہ بغلام علیم (فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلام علیم (اسحاق علیہ السلام) کی بشارت دی)

اور سنیئے! قرآنِ کریم میں انسان کے متعلق فرمایا فجعلناہ سمیعا بصیرا اس مقام پر یہ کہنا کہ یہ جعل کی قید سے مقید ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے بنانے سے انسان سمیع و بصیر بنا) ہمارے لئے قطعاً مضر نہیں کیونکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جعل خداوندی کے بغیر سمیع و بصیر نہیں مانتے لیکن قید جعل کا الفاظ میں ہونا ضروری نہیں جیسا کہ آیتِ کریمہ انہ ھو السمیع البصیر میں حسبِ تصریحات علمائے مفسرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمیع و بصیر ہیں مگر جعل یعنی بنانے کی قید الفاظ میں مذکور نہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو لفظ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے

---

[1] مدارج النبوۃ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ جلد اول ص۳۱۵ س ۴ البصیر س ۷، الخبیر س ۱۵، السمیع ص۳۱۶ س ۵ العلیم۔

[2] مواہب اللدنیہ مطبوعہ مصر جلد اول ص۱۸۲ س ۲۰ البصیر س ۲۵، الخبیر ص۱۸۳ س ۵، السمیع س ۱۹ العلیم۔

[3] زرقانی شریف مطبوعہ مصر جلد ثالث از ص۱۲۴ تا ص۱۳۵۔

اس کے معنٰے بیان کرتے ہوئے بعض حضرات نے فرطِ عقیدت کی بنا پر تصرفات، استمداد اور علم غیب تینوں مسئلوں کو حاضر و ناظر کے مفہوم میں شامل کر دیا ہے اور اس طرح حاضر و ناظر کا مسئلہ مختلف مسائل کا ایک معجون مرکب بن کر رہ گیا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بحث و مناظرہ کے وقت مدعی مجیب کے لئے بیانِ دعوٰی میں مشکلات پیش آئیں اس لئے ضروری ہے کہ تفصیلات سے قبل نفسِ مسئلہ کے مفہوم کی وضاحت کر دی جائے۔

اس مقام پر سب سے پہلے یہ گزارش ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استمداد اور حضور کا عالم ما کان و ما یکون ہونا تینوں باتیں اپنی جگہ حق اور عینِ صواب ہیں لیکن یہ تینوں مسئلے الگ الگ مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ حاضر و ناظر کے مفہوم میں داخل نہیں۔ اگر زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ العزیز ان میں سے ہر مسئلہ پر علیحدہ رسالہ لکھا جائے گا اور بفضلہٖ تعالیٰ دلائلِ قاہرہ کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات اور حضور سے استمداد کے جواز اور حضور علیہ السلام کے عالمِ ما کان و ما یکون کے ثبوت پر کلام کیا جائے گا جس کو پڑھ کر ہر اہلِ فہم پر حقانیت اور صداقت واضح ہو جائے گی لیکن سر دست چونکہ اس ایک ہی مسئلہ کی وضاحت مقصود ہے اس لئے دوسرے مسائل سے علیحدہ رہتے ہوئے صرف حاضر و ناظر کے مفہوم کی توضیح کی جاتی ہے خوب غور سے ملاحظہ فرمایئے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو لفظِ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریتِ مطہرہ ہر جگہ، ہر ایک کے سامنے موجود ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روحِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقتِ منورہ ذرّاتِ عالم کے ہر ذرّہ میں جاری و ساری ہے جس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور اہل اللہ اکثر و بیشتر بحالتِ بیداری اپنی جسمانی آنکھوں سے حضور کے جمالِ مبارک کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں رحمت اور نظرِ عنایت سے مسرور و محظوظ فرماتے ہیں گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے

عقیدہ ۵ بدلو کر

غلاموں کے سامنے ہونا" سرکار کے حاضر ہونے کے معنیٰ ہیں،، اور "انہیں اپنی نظرِ مبارک سے دیکھنا" حضور کے ناظر ہونے کا مفہوم ہے۔

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اور نورِ نبوت سے یہ امر بعید نہیں کہ آنِ واحد میں مشرق و مغرب، شمال و جنوب، تحت و فوق تمام جہات و امکنہ بعیدہ متعددہ لاتعدّ ولاتحصیٰ میں سرکار اپنے وجودِ مقدس بعینہٖ یا جسمِ اقدس مثالی کے ساتھ تشریف فرما ہو کر اپنے مقربین کو اپنے جمال کی زیارت اور نگاہِ کرم کی رحمت و برکت سے سرفراز فرمائیں۔

حاضر و ناظر کے مسئلہ میں منکرین کی طرف سے عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حاضر و ناظر ہونا خاص صفتِ خداوندی ہے اور خدا کی کوئی صفت غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ مخالفین کا یہ اعتراض بہت پرانا اور بے حد فرسودہ ہے۔ صرف حاضر و ناظر کا مسئلہ نہیں بلکہ کمالاتِ رسالت سے تعلق رکھنے والے تمام مسائل کا انکار اسی شرک کا سہارا لے کر کیا جاتا ہے گویا الزامِ شرک کا یہ اعتراض ایک مغالطۂ عام الورود ہے جو ہر مقام اور ہر موقع پر بلا کسی تامل کے وارد کر دیا جاتا ہے۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ صفاتِ خداوندی مستقل اور بالذات ہوتی ہیں، خدا کی کوئی صفت عطائی اور غیر مستقل نہیں۔ بندوں کے لئے کسی مستقل بالذات صفت کا حصول قطعاً ناممکن اور محال ہے۔

اس مقام پر یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ اس بحث میں صفاتِ خداوندی سے ہمارے نزدیک وہی صفات مراد ہیں جن کا ظہور بندوں میں دینِ متین اور عقلِ سلیم کی روشنی میں ممکن ہے ورنہ وجوبِ وجود اور غنائے ذاتی کا ظہور بندوں کے حق میں قطعاً محال ہے اسی لئے ہمارا ایمان ہے کہ صفتِ الوہیت (جو غنائے ذاتی کو مستلزم ہے) کا ظہور غیر اللہ کے لئے محالِ عقلی اور ممتنع بالذات ہے اور جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو وصفِ الوہیت عطا فرما دیا ہے وہ مشرک اور ملحد ہے۔ مشرکین اور مؤمنین کے مابین بنیادی فرق یہی ہے کہ وہ غیر اللہ کے لئے عطائے الوہیت کے قائل تھے جس کی عطا عقلاً نقلاً و شرعاً

محال ہے اور مؤمنین کسی مقرب سے مقرب ترین حتیٰ کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حق میں بھی الوہیت اور غنائے ذاتی کے قائل نہیں ہے۔

یاد رکھئے اللہ تعالیٰ جو کسی مخلوق کو کوئی کمال عطا فرماتا ہے تو اس کے متعلق صرف یہ اعتقاد مومن ہونے کے لئے کافی نہیں کہ یہ کمال اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اتنی بات تو مشرکین بھی اپنے معبودوں کے حق میں تسلیم کرتے تھے ، بلکہ مومن ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عطائے خداوندی کا عقیدہ رکھتے ہوئے یہ اعتقاد بھی رکھا جائے کہ اللہ تعالےٰ نے جو کمال کسی مخلوق کو عطا فرمایا ہے وہ عطا کے بعد حکمِ خداوندی ، ارادہ اور مشیتِ ایزدی کے ماتحت ہے۔ ہر آن خدا تعالےٰ کی مشیت اس کے ساتھ متعلق ہے اور اس بندے کا ایک آن کے لئے بھی خدا تعالےٰ سے بے نیاز اور مستغنی ہونا قطعاً محال اور ممتنع بالذات ہے۔

مختصر یہ کہ مخلوق کے ہر کمال اور بندے کی ہر صفت کے متعلق مومن کا یہی اعتقاد ہے کہ یہ کمال اور یہ خوبی اللہ کی دی ہوئی ہے اور یہ بندہ اپنے اس کمال و خوبی میں علی الاطلاق مشیتِ جزئیہ کے ماتحت ہے اور کسی حال میں معبودِ حقیقی سے مستغنی اور بے نیاز نہیں۔

**الحاصل** بندے کو کسی امر میں اللہ تعالیٰ کی مشیتِ جزئیہ کے ماتحت نہ سمجھنا یا اس کو کسی حال میں کسی اعتبار سے اللہ تعالےٰ سے مستغنی اور بے نیاز قرار دینا شرکِ جلی اور کفر خالص ہے اور اس کے برخلاف اعتقاد رکھنا عینِ ایمان ہے۔ استقلال اور عدم استقلال کے درمیان یہی فرق ہے جس کو ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا اور یہ بیان ایسا ہے کہ جو حضرات اس بحث میں ہمارے مدِمقابل سمجھے جاتے ہیں ان کے اکابر اور مسلم علماء بھی ہمارے ساتھ ہیں۔

البتہ اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں میں ایسی صفاتِ کریمہ پیدا کر دے جن کو کمالاتِ خداوندی کی تجلی اور صفاتِ ایزدی کا ظہور کہا جا سکے۔ ایسی صفات کو صفاتِ خداوندی قرار دینا ابلہ فریبی ہے کیونکہ خدائے قدوس کی کوئی صفت حادث اور غیر مستقل نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالےٰ کے مقرب بندوں میں جو صفات تسلیم کی گئی ہیں وہ خلقِ خداوندی سے مانی گئی ہیں۔ جو چیز مخلوق اور حادث ہو اس میں استقلالِ ذاتی کا وصف کیونکر پایا جا سکتا ہے لہٰذا ان صفاتِ مخلوقہ کو صفاتِ خداوندی کہنا بندے کو خدا یا خدا کو بندہ

بنانے کے مترادف ہے۔

مخلوق کا مظہرِ انوارِ الٰہی ہونا شرک نہیں بلکہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جس کی حقیقت کو تسلیم کرنا فی الجملہ ضروریاتِ دین سے ہے۔ امکانِ شرک کا عقیدہ یقیناً کفرِ خالص ہے لیکن مخلوقات کا مظہرِ انوارِ الٰہی اور جلوہ گاہِ کمالاتِ ایزدی ہونے کا انکار بھی کفر والحاد سے کم نہیں۔

میرے نزدیک یہ امر بدیہیات سے ہے کہ عالم کے ہر ذرے میں جو خوبی اور کمال موجود ہے درحقیقت وہ حسن و جمالِ الوہیّت ہی کا ظہور ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے ملاحظہ فرمائیے:

فلمّا اتاها نودی من شاطیٔ الواد الایمن فی البقعة المبارکةِ من الشجرة ان یٰموسٰی انی انا الله رب العٰلمین ۝

ترجمہ: پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) اس آگ کے پاس تشریف لائے تو ان کو ایک درخت سے برکت والی جگہ میں میدان کے داہنے کنارے کی طرف سے آواز دی گئی کہ اے موسےٰ (علیہ السلام) بے شک میں اللہ رب العالمین ہوں۔"

ظاہر ہے کہ نہ وادیٔ ایمن کا کوئی کنارہ خدا ہے نہ بقعۂ مبارکہ خدا ہو سکتا ہے، نہ درخت کو خدا کی ذات قرار دیا جا سکتا ہے، نہ وہ آگ خدا کی ذات ہے جو اس درختِ پر تیزی سے چمک رہی تھی۔ یہ سب چیزیں انوارِ الٰہی کے مظاہر ہیں نہ کہ عینِ ذاتِ خداوندی!

دوسری جگہ سورۂ نمل میں یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

فلما جاءها نودی ان بورك من فی النار و من حولها و سبحٰن الله رب العٰلمین ۝

ترجمہ: پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس تشریف لائے تو ان کو آواز دی گئی کہ برکت والا ہے وہ جو آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور اللہ رب العالمین کی ذات پاک ہے۔"

فیض الباری[1] شرح صحیح بخاری میں انور شاہ صاحب کشمیری اس آیۂ کریمہ کے متعلق فرماتے ہیں " پھر جب موسےٰ علیہ السلام آگ کے پاس آئے تو آپ کو ندا کی گئی کہ برکت والا ہے جو آگ میں ہے۔ پس موسےٰ علیہ السلام نے صرف آگ کو دیکھا نہ کہ رب تعالیٰ جل مجدہ کو لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ نے اس میں تجلی فرمائی تھی اس لئے فرمایا " اے موسےٰ بے شک میں اللہ ہوں " میں نے تمام قرآن میں اس سے زیادہ وہم پیدا کرنے والا لفظ نہیں دیکھا۔ یہاں غور کیجئے کہ موسےٰ علیہ السلام نے انی انا اللہ کی آواز سنی۔ جس چیز سے وہ آواز آرہی ہے وہ آگ ہے، اس کے باوجود بھی یہ بات صحیح رہی کہ " بیشک میں اللہ ہوں " دیکھنے میں درخت متکلم ہے (جس پر آگ بھڑک رہی ہے) لیکن درحقیقت وہ کلام اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس میں تجلی فرمائی تو وہ درخت معرفتِ الٰہیہ کے لئے وسیلہ ہو گیا اور متجلی فیہ (درخت) نے متجلی بنفسہ رب تعالیٰ جل مجدہ کا حکم لے لیا انتہیٰ۔

اب اگر کوئی شخص بورك من فی النار و من حولها وسبحٰن الله رب العالمين کو پڑھ کر یہ کہنے لگے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ " نار " میں حلول فرما رہا ہے تو اس کے مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن اس کے برخلاف یہ عقیدہ رکھنا کہ " نار و من حولها " مظاہرِ حق ہیں اور تجلیاتِ حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ

---

[1] فیض الباری جزء رابع ص ۴۲۸/۴۲۹ (فلما جاءها نودی ان بورك من فی النار) فالمرئی و المشاهد لم یکن الا النار دون الرب جل مجده و لکن الله سبحانه لما تجلی فیها قال یموسیٰ انی انا الله و ما رأیت لفظا موهما فی سائر القرآن ازید من هٰذا فانظر فیه انه کیف سمع صوتا من النار انی انا الله فهو نار ثم صح قوله انی انا الله ایضا فالمتکلم فی المرئی کان هو الشجرة ثم اسند تکلمها الی الله تعالی و ذلك لان الرب جل مجده لما تجلی فیها صارت الواسطة لمعرفة ایاه هی الشجرة فاخذ المتجلی فیه حکم المتجلی بنفسه اھ

کی جلوہ گاہ ہیں، عین ایمان اور روحِ قرآن ہے۔ معلوم ہوا کہ مخلوق کا مظاہرِ حق ہونا قرآن کی روشنی میں یقینی طور پر ثابت ہے۔

اس کے بعد حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔ ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں رب ارنی کیف تحیی الموتٰی " اے میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے جلاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولم تؤمن " اے ابراہیم (علیہ السلام) آپ کا اس بات پر ایمان نہیں! قال بلٰی ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کیوں نہیں، ضرور میرا ایمان ہے۔ و لکن لیطمئن قلبی " اور لیکن میں اس لئے سوال کر رہا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندوں کو لے لیجئے اور ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لیجئے پھر انہیں ذبح کر کے ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک جزو رکھ دیجئے۔ ثم ادعھن یأتینك سعیا " پھر ان کو پکاریئے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حسبِ ارشادِ خداوندی چار پرندے لے کر انہیں ذبح کیا اور ان کے اجزاء کو مخلوط کر کے ہر پہاڑ پر ان کے ایک ایک جزو کو رکھ دیا اور اس کے بعد انہیں پکارا تو وہ چاروں کے چاروں پرندے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے ان کے سامنے آموجود ہوئے۔

---

ظاہر ہے کہ احیاء یعنی زندہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور سوال بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احیاء کے متعلق تھا لیکن ان مردہ پرندوں کی زندگی حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے پر ظہور پذیر ہوئی جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ صفتِ احیاء اللہ تعالیٰ ہی کی تھی لیکن اس کا ظہور حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی ذاتِ اقدس میں ہوا یہی ہمارا ایمان ہے کہ صفاتِ خداوندی کا ظہور مقربانِ بارگاہِ ایزدی میں علی وجہ الکمال ہوا کرتا ہے۔ اگر بندے میں صفاتِ خداوندی کا ظہور ناممکن ہو تو تخلقوا باخلاق اللہ کے کیا معنے ہوں گے؟ ہر شخص جانتا

ہے کہ اخلاقِ الٰہیہ کے جلووں سے متصف ہونا مطلوب عند الشرع ہے۔ اگر اس چیز کو شرک قرار دے دیا جائے تو کمالِ انسانی کا کون سا مقام باقی رہے گا۔ ایک صفت یا ایک سے زیادہ صفات کے ظہور میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا، یعنی جس طرح خدا کی تمام صفات کا کسی بندے میں مستقلاً پایا جانا ممتنع عقلی ہے بالکل اسی طرح کسی ایک صفتِ خداوندی کا بھی بندے میں بالاستقلال پایا جانا محال ہے۔

بندے کا مظہرِ صفاتِ الوہیت ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ انوارِ صفات سے منور ہو جائے نہ یہ کہ صفاتِ الٰہیہ عرض قائم بالغیر کی طرح اس کی ذات میں پائی جائیں۔ ایسا عقیدہ کتاب و سنت کے منافی اور صریح الحاد و بے دینی ہے۔ علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی حنفی بغدادی روح المعانی میں اسی مسئلہ میں اربابِ ریاضت و مجاہدہ کا ذکر فرماتے ہوئے ایک طویل بیان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

جب طالبِ صادق محبوب کے راستے میں لذتیں اور راحتیں پانے کی وجہ سے شہواتِ نفسانیہ سے خالی ہو جاتا ہے اور اسکی زندگی اور اوقات ہر قسم کی کدورتوں سے پاک اور صاف ہو جاتے ہیں تو اس کا باطن روشن ہو جاتا ہے اور انوارِ غیب کی تجلیاں اس پر ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے لئے ملکوت کا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے اس کو بار بار نوری شعاعیں محسوس ہوتی ہیں اور وہ مثالی صورتوں میں امورِ غیبیہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پھر وہ جب ان امور میں سے کسی شئے کا مزہ چکھتا ہے تو گوشہ نشینی، تنہائی، ذکر اور ہمیشہ پاک رہنا اور عبادت اور مراقبہ اور نفس کا محاسبہ اس کے لئے مرغوب ہو جاتا ہے اور وہ تمام حسی ملذذات سے اعراض کرنے لگتا ہے اور اس کا دل ان کی محبت سے خالی ہو جاتا ہے اور

پھر وہ اپنے باطن کے ساتھ حق تعالیٰ کیطرف پوری طرح متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کے لیئے وجد اور سکر اور شوق اور عشق اور بے چینی کا ظہور ہونے لگتا ہے اور یہ چیزیں اس کو اس کے نفس سے فانی اور غافل کر دیتی ہیں پھر وہ پوشیدہ حقائق اور غیبی انوار کو دیکھتا ہے تو وہ مشاہدہ اور معائنہ اور مکاشفہ کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے اور اس کے لئے انوارِ حقیقیہ ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یہ انوار حواس پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں، کبھی پوشیدہ بھی ہو جاتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ پختہ ہو کر اس دو رنگی (ظہور و خفا) سے نجات پاتا ہے (اسپر ظہور ہی کا حال رہتا ہے) اور اس پر سکینتِ روحانیہ اور طمانیتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے اور ان احوال اور روشنیوں کا وارد ہونا اس کے لئے ملکہ بن جاتا ہے۔ پھر وہ عوالمِ جبروت میں داخل ہو کر ان عقولِ مجردہ اور انوارِ قاہرہ کا مشاہدہ کرتا ہے جو نگہبانی کرنے والے ملائکہ مقربین سے ہیں اور ان کے انوار کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے۔ اسوقت اس کے لئے عظمت اور کبریاءِ الٰہیہ کی تجلیاں اور سلطانِ احدیت کے انوار ظاہر ہوتے ہیں تو وہ ان کو ہباءً منثوراً کر دیتے ہیں اور اس کی انانیت کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے گر کر تعینِ ذاتی میں گم ہو جاتا ہے اور اس کا وجود وجودِ الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے۔ یہ مقام محو اور فنا کا مقام ہے اور وہ سالکین کے پہلے سفر کی منزل ہے۔"

پھر اگر وہ اسی محو و فنا کے حال میں رہا اور بقاء و صحو کی طرف نہ آیا تو عین جمع میں مستغرق ہو کر حق کے ساتھ (مشغول ہونے کی وجہ سے) تمام مخلوق سے محجوب ہو جاتا ہے اور اس کی نظر حق تعالیٰ جل شانہ کے مشاہدہ جمال سے نہیں چوکتی اور اس کی ذات اور جلال کے انوار کو وہ ہر وقت دیکھتا رہتا ہے۔ اس وقت

کثرتِ شہودِ حق میں مضمحل ہو جاتی ہے اور تفصیلِ وجودِ باری کے سامنے روپوش ہو جاتی ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے اوپر ایک اور مرتبہ ہے جو سکر سے صحو اور فنا سے بقا کی طرف آنے کے بعد ملتا ہے اور سالک عین جمع میں تفصیل کو دیکھتا ہے اور اس کا سینہ حق اور خلق دونوں کے لئے فراخ ہو جاتا ہے تو وہ ہر شئے میں حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور ہر شئے کو حق کے ساتھ دیکھتا ہے اور یہ دیکھنا ایسے طریقہ پر ہوتا ہے جس میں تکثر اور تجسم کو دخل نہیں ہوتا اور یہ ایسا طور ہے جو طورِ عقل سے وراء الوراء ہے۔

اور بعض عارفین کاملین کی عبارت میں واقع ہوا ہے کہ عارف کبھی حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جاتا ہے۔ نہ بایں معنے کہ اللہ کی صفات اس کے لئے ایک عرض ہو جائیں جو قائم بالنفس ہو کیونکہ یہ اس قبیلہ سے ہیں کہ جس کا کبھی تصور بھی نہیں ہو سکتا اور ایسی بات کہنا شریعت، طریقت اور حقیقت سے نکل جانا ہے بلکہ یہ تخلیق ایک دوسرا علاقہ ہے جو صفاتِ کونیہ بدنیہ کے علاقے سے بہت زیادہ کامل اور اکمل ہے جس کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی [۱]

---

[۱] روح المعانی پ۱۵ ص ۱۴۶/۱۴۷ مطبوعہ مصر فاذا اخلص منها وصفا وقته وطاب عيشه بما يجده فی طريق المحبوب يتنور باطنه ويظهر له لوامع انوار الغيب وينفتح له باب الملكوت وتلوح منه لوائح مرة بعد اخرى فيشاهد امورا غيبية فی صور مثالية فاذا ذاق شيئا منها يرغب فی العزلة والخلوة والذكر والمواظبة على الطهارة والعبادة والمراقبة والمحاسبة ويعرض عن الملاذ الحسية كلها ويفرغ القلب عن محبتها فيتوجه باطنه الى الحق تعالى بالكلية فيظهر له الوجد والسكر والشوق والعشق والهيجان ويجعله فانيا عن نفسه غافلا عنها فيشاهد الحقائق السرية والانوار الغيبية فيتحقق بالمشاهدة والمعاينة والمكاشفة ويظهر له انوار حقيقية تارة وتختفی اخرى حتى يتمكن ويتخلص من التلوين وينزل عليه السكينة الروحية والطمانية الالهية ويصير

بندے کا مظہرِ صفاتِ الٰہیہ ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار قرآن وحدیث کی روشنی میں کسی طرح نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہمارے بیانِ سابق سے ہمارے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ مزید وضاحت کے لئے ایک حدیثِ قدسی اور سن لیجئے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور وہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس پر) فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں نے اس کو اعلانِ جنگ

---

ورود هذه البوارق والاحوال له ملكة فيدخل فى عوالم الجبروت ويشاهد العقول المجردة والانوار القاهرة من الملئكة المقربين والمهيمن ويتحقق بانوارهم فيظهر له انوار سلطان الاحدية وسواطع العظمة والكبرياء الالهية فتجعله هباء منثورا ويندك حينئذ جبال انيته فيخر لله تعالى خرورا ويتلاشى فى التعين الذاتى ويضمحل وجوده فى الوجود الالهى وهذا مقام الفناء والمحو وهو غاية السفر الاول للسالكين فان بقى فى الفناء والمحو ولم يجئ الى البقاء والصحو صار مستغرقا فى عين الجمع محجوبا بالحق عن الخلق لا يزيغ بصره عن مشاهدة جماله عز شانه وانوار ذاته وجلاله فاضمحلت الكثرة فى شهوده واحتجب التفصيل عن وجوده وذلك هو القون العظيم وفوق ذلك مرتبة يرجع فيها الى الصحو بعد المحو وينظر الى التفصيل فى عين الجمع ويسع صدره الحق والخلق فيشاهد الحق فى كل شئ بالحق على وجه لا يوجب التكثر والتجسم وهو طور وراء طور العقل ووقع فى عبارة بعضهم انه قد يصير العارف متخلقا باخلاق الله تعالى بالحقيقة لا بمعنى صيرورة صفاته تعالى عرضا قائما بالنفس فان هذا مما لا يتصور ابدا والقول به خروج عن الشريعة والطريقة والحقيقة بل بمعنى علاقة اخرى اتم من علاقتها مع الصفات الكونية والبدنية وغيرها لا نعلم حقيقتها ١٢

فرمادیا اور جن چیزوں کے ذریعہ بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میری طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ حملہ کرتا ہے اور اس کے وہ پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہتا ہے تو میں اسے ضرور بچاتا ہوں۔
(الحدیث [1])

اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نزدیکی حاصل کرنے والے کے حواس کو اپنی پسندیدہ چیزوں کے لئے وسیلہ بنا دیتا ہے اور وہ بندہ اپنے کانوں سے کوئی ناجائز چیز نہیں سنتا اور اپنی آنکھوں سے خلافِ حکمِ شرع کوئی چیز نہیں دیکھتا اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے خلافِ شرع کوئی کام نہیں کرتا، غلط اور حدیث شریف میں تحریف کرنے کے مترادف ہے الفاظِ حدیث ان معنی کے متحمل نہیں کیونکہ ان معنی کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۶۳ مطبوعہ مجتبائی دہلی، مشکوٰۃ ص ۱۹۷ جلد ۱ کتاب الدعوات مطبوعہ مجیدی کانپور
عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالی قال من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیٔ احب الی مما افترضت علیہ ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا وان سألنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ (الحدیث)

نزدیکی حاصل کرنے والا بندہ محبوب ہونے کے ہونے کے بعد اپنے کسی عضو یا حصہ سے کوئی گناہ نہیں کرتا اور وہ اپنے کان آنکھ وغیرہ سے جو کام کرتا ہے وہ سب جائز اور شرع کے مطابق ہوتے ہیں لیکن ان معنی کو جب الفاظِ حدیث پر پیش کیا جاتا ہے تو کوئی لفظ ان کی تائید نہیں کرتا۔ ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کا مرتبہ تو اسے محبوبیت سے پہلے ہی حاصل ہو گیا ہے۔ اب اگر محبوبیت کے بعد بھی وہ اسی مقام پر رہے تو یہ اس کے حق میں بلندیٔ مراتب ہو گی یا ترقیٔ معکوس۔ اگر معصیتوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی خدا کی محبوبیت کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو تقوےٰ اور پرہیزگاری کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ نصِ قرآنی اس امر پر شاہد ہے کہ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (تقویٰ اور پرہیزگاری) کے بعد ہی اللہ تعالےٰ کی محبوبیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع یعنی تقوےٰ اور پرہیزگاری کے بغیر مقامِ محبوبیت خداوندی کا حصول ناممکن ہے کنت سمعہ و بصرہ کا مرتبہ فاذا احببتہ کے بعد ہے جس کا مقتضےٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس بندے کی سمع اور بصر ہونا" اتقاء عن المعاصی" کے علاوہ اس سے بلند اور بالا مرتبہ ہے جس کو گناہوں سے پاک ہونے کے بعد ہی حاصل کیا جا سکتا ہے جو پرہیزگاری کا نتیجہ اور قربِ نوافل کا ثمرہ ہے۔

ہمارے مخالفین کے مستند اور مسلّم محدث انور شاہ صاحب کشمیری فیض الباری شرح بخاری[1]

---

[1] فیض الباری جزو ۴ ص ۴۲۸ مطبوعہ ڈابھیل سورت اما علماء الشریعة فقالوا معناه ان جوارح العبد تصیر تابعة للمرضاة الالهية حتى لا تتحرك الا على ما يرضى به ربه فاذا كانت غاية سمعه وبصره وجوارحه كلها هو الله سبحانه فحينئذٍ ان يقال انه لا يسمع الا له ولا يتكلم الا له فكان الله سبحانه صار سمعه وبصره قلت وهذا عدول عن حق الالفاظ لان قوله كنت سمعه بصيغة المتكلم يدل على انه لم يبق من المتقرب بالنوافل الا جسده وشبهه وصار المتصرف فيه الحضرة الالهية فحبه وهو الذى عناه الصوفيه بالفناء فى الله اى الانسلاخ عن دواعى نفسه حتى لا يكون المتصرف فيه الا هو وفى الحديث لمعة الى وحدة الوجود وكان مشائخنا مولعون بتلك المسئلة الى زمن الشاه عبد العزيز اما انا فلست بمتشدد فيها ومن عجب انى احسن اليهم: واسئل عنهم دائما وهم معى - وتبكيهم عينى وهم فى سوادها ﴿ وتشتاقهم روحى وهم بين اضلعى ١٢

جزو رابع میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں :
علمائے شریعت نے کہا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنیٰ ہیں کہ بندے کے اعضاء جوارح رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ رضائے رب کے خلاف بالکل حرکت نہیں کرتے تو جب اس کے سمع و بصر اور تمام اعضاء جوارح کی غایت اللہ تعالیٰ ہو جائے تو اس وقت یہ کہنا صحیح ہو گا کہ وہ بندہ اللہ ہی کیلئے سنتا اور اسی کے لئے بولتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ اس کی سمع و بصر ہو گیا - میں کہتا ہوں کہ حدیث کے یہ معنیٰ بیان کرنا حق الفاظ سے تجاوز اور کجروی ہے اس لئے کہ بصیغۂ متکلم اللہ تعالیٰ کا کنت سمعہ فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عبد متقرب بالنوافل میں اس کے جسم اور صورت کے سوا کچھ باقی نہیں رہا اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہو گیا ہے اور فنا فی اللہ سے صوفیاء کی مراد بھی یہی ہے کہ بندہ اپنے خواہشاتِ نفس سے اس طرح خالی ہو جائے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز تصرف کرنے والی (سننے دیکھنے اور بولنے والی) باقی نہ رہے - اس حدیث میں وحدۃ الوجود کی چمک ہے اور مسئلہ وحدۃ الوجود میں میں اتنا متشدد نہیں لیکن شاہ عبد العزیز کے زمانہ تک ہمارے مشائخ اس میں نہایت متشدد اور حریص تھے

"بڑے تعجب کی بات ہے کہ میں ان کی محبت و اشتیاق میں پگھلا جا رہا ہوں اور ہمیشہ ان کے متعلق سوال کرتا رہتا ہوں حالانکہ وہ میرے ساتھ ہیں اور میری آنکھیں ان کے لئے روتی رہتی ہیں۔ حالانکہ وہ پتلی میں ہیں اور میری روح ان کے لئے مشتاق رہتی ہے اور وہ میرے پہلو میں ہیں ۔"

بندے میں صفاتِ خداوندی کے ظہور کا مرتبہ درحقیقت وہی مقام ہے جس کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ہم بیان کرتے چلے آرہے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع

اور بصر اور قدرت کے انوار بندے کی سمع، بصر اور قدرت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں اور اسطرح یہ عبد متقرب بالنوافل صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے یعنی یہ بندہ اللہ کے نورِ سمع سے سنتا ہے اور اسی کے نورِ بصر سے دیکھتا ہے اور اسی کے نورِ قدرت سے تصرف کرتا ہے۔ نہ خدا بندے میں حلول کرتا ہے نہ بندہ خدا ہو جاتا ہے بلکہ خدا کا یہ مقرب بندہ مظہرِ خدا ہو کر کمالِ انسانیت کے اس مقام پر فائز ہوتا ہے جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔

اگر آپ غور فرمائیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آیہ کریمہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ کے معنے یہی ہیں جن کا مصداق یہ عبدِ مقرب ہے۔ عبادت کے معنیٰ پامالی کے ہیں یعنی عبدِ مقرب اپنی انانیت اور صفاتِ بشریت کو اپنے رب کی بارگاہ میں پامال یعنی ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ ان کو فنا کر دیتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بندے میں اس کے اپنے صفاتِ عبدیت کی بجائے صفاتِ حق متجلی ہوتی ہیں اور انوارِ صفاتِ الٰہیہ سے وہ بندہ منور و مستنیر ہو جاتا ہے دیکھئے فیض[1] الباری میں انور شاہ صاحب کشمیری اس مقام پر فرماتے ہیں:

"جب درخت سے انی انا اللہ کی آواز آسکتی ہے تو متصرف بالنوافل کا کیا حال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سمع و بصر نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے مقرب بندوں کی سمع و بصر ہو جانا ایسی صورت میں کیوں کر محال ہو سکتا ہے جب کہ وہ ابنِ آدم جو صورتِ رحمٰن پر پیدا کیا گیا شرف و کمال میں شجرۂ موسیٰ علیہ السلام سے کسی طرح کم نہیں۔"

اور ملاحظہ فرمائیے: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر کی پانچویں جلد[2] میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس پر فرمایا

---

[1] فیض الباری شرح بخاری جزو رابع ص۴۲۹ فاذا صح للشجرۃ ان ینادی فیھا بانی انا اللہ فمابال المتقرب بالنوافل ان لا یکون اللہ سمعہ و بصرہ کیف و ان ابن آدم الذی خلق علیٰ صورۃ الرحمٰن لیس بادون من شجرۃ موسیٰ علیہ السلام ۱۲ (حاشیہ ۲ ص ۲۷ پر دیکھئے)

میرا بندہ میری طرف کسی چیز کے ذریعہ وہ نزدیکی حاصل نہیں کر سکتا جو ادائے فرائض کے ذریعے حاصل کرتا ہے اور نوافل کے ذریعہ وہ ہمیشہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان اور آنکھ اور زبان اور دل اور ہاتھ اور پاؤں ہو جاتا ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے بولتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے۔ اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان بندگانِ مقربینِ بارگاہِ ایزدی کی آنکھوں، کانوں بلکہ تمام اعضاء میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ اس لئے اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے کوئی حصہ باقی رہا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا کہ میں اس کی سمع اور بصر ہو جاتا ہوں۔"

یہی امام رازی تفسیر کبیر کی اسی پانچویں جلد میں عبارتِ مسطورہ بالا کے بعد رقمطراز ہیں:

"اور اسی لئے حضرتِ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ

---

(حاشیہ ص۲۶) ؎ تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازی جلد ۵ ص۶۸۷ مطبوعہ مصر قال النبی صلی اللہ وسلم حکایۃ عن رب العزۃ ما تقرب عبد الی بمثل اداء ما افترضت علیہ ولا یزال یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت لہ سمعاً و بصراً و لساناً و قلباً و یداً و رجلاً بی یسمع و بی یبصر و بی ینطق و بی یمشی وھذا الخبر یدل علی انہ لم یبق فی سمعھم نصیب لغیر اللہ و لا فی بصرھم ولا فی سائر اعضائھم اذ لو بقی ھناک نصیب لغیر اللہ تعالیٰ لما قال انا سمعہ و بصرہ انتہیٰ ۱۲

اللّٰھم اغفر لکاتبہ و زین کتابتہ یوماً فیوماً

بلکہ ربانی قوت سے اکھاڑا تھا اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت علی کی نظر عالمِ اجساد سے منقطع ہو چکی تھی اور ملکی قوتوں نے حضرت علی کو عالمِ کبریا کے نور سے چمکا دیا تھا جس کی وجہ سے ان کی روح قوی ہو کر ارواحِ ملکیہ کے جواہر سے مشابہ ہو گئی تھی اور اس میں عالمِ قدس وعظمت کے انوار چمکنے لگے تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہ قدرت حاصل ہو گئی جو ان کے غیر کو حاصل نہ تھی اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کنت له سمعًا و بصرًا فرمایا ہے۔ جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک آوازوں کو سن لیتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہو گیا تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نورِ جلال اس کا ہاتھ ہو گیا تو یہ بندہ مشکل اور آسان، دور اور قریب چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے [۱]

علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی حنفی بغدادی روح المعانی میں فرماتے ہیں:-

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۶۸۸ مطبوعہ مصر ولهذا قال علی بن ابی طالب كرم الله وجهه و الله ما قلعت باب خيبر بقوة جسدانية ولكن بقوة ربانية و ذلك لان عليًا كرم الله وجهه فی ذلك الوقت انقطع نظره عن عالم الاجساد واشرقت الملائكة بانوار عالم الكبرياء فتقوى روحه و تشبه بجواهر الارواح الملكية وتلألأت فيه اضواء عالم القدس والعظمة فلا جرم حصل له من القدرة ما قدر بها على ما لم يقدر عليه غيره وكذلك العبد اذا واظب على الطاعات بلغ الى المقام الذی يقول الله كنت له سمعا و بصرًا فاذا صار نور جلال الله سمعا له سمع القريب والبعيد واذا صار ذلك النور بصرا له رأى القريب والبعيد واذا صار ذلك النور يدا له قدر على التصرف فی الصعب والسهل والبعيد والقريب انتهى ۱۲ [۲] روح المعانی پ ۲۱ صفحہ ۱۰۲ وذكروا ان من القوم من يسمع فی الله ولله وبالله ومن الله جل وعلی ولا يسمع بالسمع الانسانی بل يسمع بالسمع الربانی كما فی الحديث القدسی كنت سمعه الذی يسمع به انتهى ۱۲

"عارفین نے ذکر کیا ہے کہ قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ میں، اللہ کے لئے، اللہ کے ساتھ، اللہ سے سنتے ہیں اور وہ سمعِ انسانی کے ساتھ نہیں بلکہ سمع ربانی کے ساتھ سنتے ہیں جیسا کہ حدیثِ قدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ میں وارد ہے۔"

امامِ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ الیواقیت والجواہر جلد[1] اول میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ جب وہ کسی بندے کو محبوب بنا لیتا ہے تو وہ اس کی سمع اور بصر ہو جاتا ہے (الحدیث) (وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع و بصر کا مظہر بن جاتا ہے) اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو جنہیں وہ چاہتا ہے ان میں اپنی کل[ع] صفات جمع کر دیتا ہے اور کبھی بعض صفات عطا فرماتا ہے۔ اور درجہ بدرجہ تھوڑی تھوڑی صفات عطا فرماتا رہتا ہے۔"

انفاسِ رحیمیہ مکتوبات[2] شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی میں ہے:

"اور رحمتِ کاملہ نازل ہو اس ذاتِ پاک پر جو اللہ تعالیٰ کے مظہرِ اتم و اکمل ہیں اور اس کے حسین و جمال جلوہ گاہ ہیں جن کا نامِ پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ واصل ہیں۔"

---

[1] الیواقیت والجواہر مطبوعہ مصر جلد اول ص۱۲۵ وقد اخبر الحق تعالیٰ انہ اذا احب عبدًا کان سمعہ وبصرہ الحدیث لکن قد یجمع اللہ تعالیٰ لمن شاء فی ھذا المقام الصفات کلھا وقد یعطیہ بعض الصفات علی التدریج شیئًا بعد شیٔ ۱۲۔ [2] انفاس رحیمیہ مکتوبات شاہ عبد الرحیم ص۱۸ والصلوٰۃ علی المظھر الاتم والاکمل مجلاہ الاحسن والاجمل محمد الاوصل ۱۲

[ع] لفظ کل سے کل صفات مراد ہیں جن کا مظہر ہونا بندہ کے حق میں شرعاً و عقلاً ممکن ہے ۱۲

نیز اسی کتاب[1] میں ہے :

"اور بہترین تحفے اس کے حبیب پر جو اللہ تعالیٰ کے جمال و کمال کا آئینہ ہیں اور اس کے خزائن بخشش کی کنجی ہیں "

مظہر صفاتِ باری تعالیٰ کو شرک کہنے والے ذرا آنکھیں کھول کر ان جلیل القدر ائمہ دین، علمائے اعلام، محدثین و مفسرین اور علمائے عارفین کی عباراتِ جلیلہ کو پڑھیں اور سوچیں کہ ان کے مصنوعی شرک کی زد میں کیسی کیسی مقدس ہستیاں آتی ہیں "

ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ مشرکین اپنے تلبیۂ حج میں کہا کرتے تھے لاشریک لک لبیک الاشریکا تملکہ و ماملک یعنی اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں لیکن وہ شریک جس کا تو مالک ہے اور وہ تیرا مالک نہیں " یہ کلام اس دعویٰ کی واضح دلیل ہے کہ مشرک ہونے کے لئے غیر اللہ کو متصرف بالاستقلال ماننا ضروری نہیں بلکہ محض تملیک اور عطائے کمالات کا اعتقاد بھی مشرک بنا دیتا ہے نیز یہ کہ مشرکین مکہ اپنے بتوں کے حق میں تصرف بالاستقلال کے قائل نہ تھے کیونکہ استقلالِ ذاتی اور مملوکیت میں منافات ہے۔

جواباً عرض ہے کہ مخالفین کا یہ استدلال بھی عجیب مضحکہ خیز ہے کہ وہ شرک یعنی اثباتِ توحید میں مشرکین کے کلام سے دلیل لاتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ مشرکین کا شرک، قدرت و تصرف ہی میں منحصر نہ تھا بلکہ وہ استحقاقِ عبادت میں بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ان کا مقولہ مذکور ہے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ یہ آیت اس مفہوم میں بالکل صریح ہے کہ مشرکینِ مکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ خواہ ان کی عبادت کا مقصد کچھ ہو مگر ان کا اپنے بتوں کی عبادت کرنا بہر حال ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ مشرکینِ مکہ استحقاقِ عبادت میں غیر اللہ کو شریک مان کر " الاشریکاً " بولا کرتے تھے اور ان کا مشرک ہونا عطاءً اوصاف

---

[1] انفاس رحیمیہ ص۲۱ و تحیاتِ زاکیات بر حبیبِ او کہ آئینہ جمال و کمال اوست تعالیٰ شانہ و مفتاح خزائن جود اوست عم احسانہ ۱۲

کے اعتقاد کی وجہ سے نہیں، بلکہ غیر اللہ کو مستحق عبادت سمجھنے کی بنا پر تھا لہذا محض تملیک اور عطائے کمالات کے عقیدے پر مشرک ہونے کا دعویٰ کلامِ مشرکین سے بھی ثابت نہ ہوا۔

مخالفین کے استدلال کا دوسرا پہلو بھی انتہائی لغو ہے کیونکہ مشرکین سے ان کے معبودوں کے حق میں تصرف بالاستقلال کی نفی مملوکیت اور تصرف بالاستقلال میں منافات پر مبنی ہے حالانکہ مشرکین کے جاہلانہ نظریئے کے مطابق ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں اس لئے کہ جب ان کے نزدیک ایک مملوک معبود ہو سکتا ہے تو متصرف بالاستقلال کیوں نہیں ہو سکتا؟

اگر اس منافات کی وجہ سے مشرکین کے اعتقادِ استقلال بالتصرف کی نفی کر دی جائے تو ان سے بتوں کی عبادت کی بھی نفی کرنی پڑے گی کیونکہ جس طرح مملوکیت اور تصرف بالاستقلال میں منافات ہے بالکل اسی طرح مملوکیت اور معبودیت میں بھی منافات ہے پس اگر اعتقادِ مملوکیت کے ساتھ مشرکین کے ناپاک دلوں میں معبودیت کا عقیدہ جمع ہو سکتا ہے تو مملوکیت کے عقیدہ کے ساتھ تصرف بالاستقلال کا اعتقاد بھی پایا جا سکتا ہے لہذا یہ پہلو بھی ہباءً منثورًا ہو گیا اور مشرکینِ مکہ کے قول سے استدلال کر کے ہمارے مخالفین نے جو استعانت بالمشرکین کی نفی اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوئی، وللہ الحمد۔

## شرک کی بحث میں مخالفین کی کجروی

بیانِ شرک کے مسئلہ میں ہمارے مخالفین کی کجروی قابلِ ملاحظہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام و اولیائے عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے عطائی علومِ غیبیہ ماننے کو بھی شرک قرار دے دیا۔ اسی طرح نفع و ضرر کے اختیارات عطائے الٰہی سے کسی مخلوق کے لئے تسلیم کرنے کو بھی شرک صریح لکھ دیا اور بزرگانِ دین سے غائبانہ طور پر مافوق الاسباب امور میں عطائے الٰہی کا اعتقاد رکھتے ہوئے مدد طلب

کرنے کو بھی شرکِ خالص بنا دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو شخص انبیائے کرام علیہم السلام کے علمِ غیب عطائی کو علمِ الٰہی کے مساوی نہ مانتا ہو وہ بھی مخالفین کے نزدیک کافر و مشرک ہے۔

اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام زمین و آسمان کے غیب یا ہمارے اعمال و افعال کا علم ہر وقت تو نہیں رکھتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ طاقت دی ہوئی ہے کہ جس وقت جس چیز کو چاہیں جان لیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہوئی ہے کہ جب چاہیں آنکھیں کھول کر دیکھ لیں، جب چاہیں بند کر لیں تو مخالفین کے نزدیک یہ بھی کفر و شرک ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر مخالفین نے اپنی کتابوں میں صاف لکھ دیا کہ اگر انبیائے کرام و اولیائے عظام علیہم السلام کے لئے کوئی شخص عطائی علم و قدرت بھی نہ مانتا ہو بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف شفاعت کرنے والا یعنی سفارشی سمجھتا ہو وہ بھی قطعاً کافر و مشرک ہے۔

اس بیان کے تمام اجزاء مذکورہ بالا کی دلیلیں مخالفین نے اپنی کتابوں میں حسبِ ذیل تفصیل کے ساتھ تحریر کی ہیں:

۱۔ چونکہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا مملوک اور متصرف بالعرض مانتے تھے لہذا ثابت ہوا کہ کسی نبی و ولی کو متصرف بالعرض بتملیک اللہ ماننا بھی شرک ہے۔

۲۔ چونکہ مشرکین عرب کا اعتقاد تھا کہ ہمارے معبود علم و قدرت میں اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں لہذا انکا یہ اعتقاد اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص انبیاء و اولیاء کو علم و قدرت میں اللہ تعالیٰ کے مساوی نہ مانے ... تب بھی کافر و مشرک ہے (جواہر القرآن صفحہ ۱۸۰)

۳۔ مشرکینِ مکہ اپنے معبودوں کو محض سفارشی سمجھ کر پکارتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول مذکور ہے وما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى۔ اسی طرح دوسری آیت میں ہے و يعبدون من دون الله ما لا يضرهم ولا ينفعهم ويقولون هؤلاء شفعاؤنا عند الله۔ معلوم ہوا کہ کسی نبی و ولی کو عطائی علم و قدرت سے متصف مانے بغیر بھی انسان صرف اس وجہ سے مشرک ہو جاتا ہے کہ اس نے ان کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنا سفارشی قرار دیا۔ (جواہر القرآن صفحہ ۱۲۲)

۴۔۔۔ چونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب سب کا یہی خیال تھا کہ حضرتِ عیسٰے و مریم و عزیر و ابراہیم و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ و السلام کو نفع نقصان کے اختیارات دے دیئے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین کے لئے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات ماننا شرک ہے۔ (جواہر القرآن صد ۱۲۳)

اس پر مزید ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ بزرگانِ دین کے لئے بعطائے الٰہی علم و تصرف ماننے پر کفر و شرک کا فتویٰ لگانے والوں سے جب سوال کیا گیا کہ اگر بزرگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے دینے سے بھی علم و تصرف کا اعتقاد رکھنا کفر و شرک ہے تو معتبر کتابوں میں بالاستقلال وغیرہ الفاظ کی قید کیوں لگائی گئی ہے ؟

اس کے جواب میں مخالفین نے لکھا ہے کہ جن کتابوں میں بالاستقلال یا بالذات وغیرہ کی قیدیں آئی ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے پیروں فقیروں کو طاقت دیدی ہے کہ جس وقت جو چیز چاہیں جان لیں یا جس کو چاہیں نفع و نقصان پہنچا دیں۔ انتہیٰ

دعویٰ سے پہلے تفصیل دلائل کی نوعیت قابلِ غور ہے کہ بحث کے ہر جزو کے ثبوت کا دار و مدار مشرکین کے عقائد و اعمال کو قرار دیا گیا ہے گویا مخالفین کے نزدیک ردِ شرک کی دلیل مشرکین کا قول و فعل ہے۔ سبحان اللہ ! کیا عجیب استدلال ہے کہ چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا مملوک کہتے اور انہیں متصرف بالعرض مانتے تھے اس لئے غیر اللہ کو متصرف بالعرض سمجھنا شرک ہے اور چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کو سفارشی سمجھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی کو سفارشی سمجھنا شرک ہے۔

ان عقل کے دشمنوں سے کوئی اتنا نہیں پوچھتا کہ ارے بے وقوفو ! مشرکین کا قول و فعل بھی حجتِ شرعیہ ہو سکتا ہے ؟ پھر یہ کہ توحید جو اصلِ دین ہے اس کے اثبات کے لئے نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول تمہیں ملا نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، ایسے عظیم الشان دعویٰ پر دلیل لائے تو کہاں سے ؟ مشرکین کے عقائد و اعمال سے ؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ! تمہیں شرم نہیں آتی کہ ہم بزرگانِ دین کا کوئی کلام یا عمل و اعتقاد اپنے

مسلک کی تائید میں پیش کرتے ہیں تو تم یہ کہہ کر رد کر دیتے ہو کہ بزرگوں کے اقوال واعمال دلیل شرعی نہیں ہو سکتے۔ حجت شرعیہ صرف قرآن وحدیث ہے لیکن اپنی خود ساختہ توحید کے ثبوت میں مشرکین کے اقوال وافعال سے استدلال کر رہے ہو ؏

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

مخالفین نے اپنی کجروی میں انتہا کر دی کہ بزرگانِ دین کے اقوال کو جو باب فضائل میں فی الجملہ قابلِ استدلال ہیں، رد کر دیا اور مشرکین کے عقائد واعمال کو حجتِ شرعیہ قرار دے دیا ؏

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

اس بحث میں بعض معاندین کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے مشرک قرار پائے لیکن عبادت کے معنی بھی تو یہی ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنا سفارشی سمجھے یا نفع ونقصان پہنچانے کے اختیارات اس کے لئے مانے۔ اگرچہ وہ اس کو متصرف فی الامور بالعرض بتملیک اللہ اعتقاد کرے اور اس کے علم وقدرت کو اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کے مساوی نہ مانے لیکن جب وہ اسے مافوق الاسباب نفع ونقصان کا مختار جانتے ہوئے غائبانہ طور پر پکارتا اور اس سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے تو اس کا یہی فعل غیر اللہ کی عبادت ہے اور اس سے مستقل و بالذات سمجھنے کا مفہوم بھی یہی ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ عبادت اور استقلالِ ذاتی کے یہ معنی قرآن وحدیث میں قطعاً وارد نہیں ہوئے نہ سلف صالحین سے منقول ہیں بلکہ مخالفین نے امتِ مسلمہ کو کافر ومشرک بنانے کے لئے قرآن وحدیث کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے دل سے گھڑ لئے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اکثر وبیشتر ایسے الفاظ وارد ہوتے ہیں جن کے معنے اس قدر روشن اور ظاہر ہیں کہ ہر شخص انہیں جانتا اور سمجھتا ہے۔ ان کے بیان کی کسی کے لئے حاجت نہیں اسی واسطے ان کی تفصیل قرآن وحدیث میں وارد نہیں

ہوئی۔ مثلاً حمد، شکر، تعظیم وغیرہا بکثرت الفاظ وارد ہیں مگر ان کے معانی کی تفصیل کتاب و سنت میں کہیں مذکور نہیں۔ اسی طرح عبادت بھی ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنے نہایت واضح اور روشن ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عبادت کے معنے بندگی ہیں یعنی کسی کو حقیقی بے نیاز مان کر اس کے غیر کو اس کا حقیقی نیازمند سمجھنا۔ اسی لئے علمائے مفسرین نے عبادت کے معنی غایۃ الخضوع و الخشوع کئے ہیں جن کو ہمارے مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔

مشرکین عرب اپنے بتوں کو قطعاً اور مطلقاً بے نیاز تصور کر کے اپنے آپ کو ہر طرح کلیتاً ان کا نیازمند سمجھتے تھے اور ظاہر ہے کہ تذلل کی خضوع کی غایت یہی ہے۔ مختصر یہ کہ عبادت کے معنی صرف بندگی، غایت خشوع و خضوع ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارے مخالفین نے عبادت کی تفسیر استعانت سے کر دی حالانکہ یہ دونوں الگ الگ معنی کے لئے موضوع ہیں اور ہر ایک کا مفہوم دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ سے واضح ہے اور بعض مفسرین نے استعانت سے خاص استعانت علی العبادت مراد لے کر اس بات کو خوب واضح کر دیا کہ استعانت و عبادت باہم متغایر ہیں، البتہ اگر کسی استعانت میں غایت اور بندگی، خشوع و خضوع کا وصف بھی پایا جائے گا تو ہم اسے بھی محض اس لئے عبادت قرار دیں گے کہ اس میں غایتِ تذلل کی صفت پائی جاتی ہے۔

جن آیاتِ قرآنیہ سے مخالفین کو دھوکا لگا ہے ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ کسی کے لئے نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار ماننا یا حاجات میں امداد طلب کرنا عبادت ہے بلکہ ان آیات میں اس امر کو بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین اپنے بتوں سے علی وجہ العبادت استعانت کے قائل تھے یا انہیں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ عقلِ سلیم کے مطابق معبود وہی ہو سکتا ہے جو فی الواقع ہر قسم کی امداد کرنے والا اور تمام حاجات بر لانے والا ہو نیز مستقل بالذات، مختار ہونا اسکی صفت ہو۔

اس مقام پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہم بھی ہر استعانت کو عبادت نہیں کہتے بلکہ اسی استعانت کو عبادت قرار دیتے ہیں جس میں غایتِ تذلل پایا جائے مگر ایسی استعانت

ہمارے نزدیک وہی ہے جو مافوق الاسباب امور میں غائبانہ ندا، کے ساتھ کی جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غایتِ تذلل اور عبادت کا تعلق نہ مافوق الاسباب امور سے ہے نہ غائبانہ ندا سے، اس کا تعلق تو محض اعتقاد سے ہے یعنی انسان اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلت اور پستی کے اس آخری درجہ میں سمجھے جس کے بعد عاجزی اور ذلت کا کوئی درجہ نہ ہو تو وہ انسان اس کا عابد قرار پائے گا جس کے سامنے اس نے اپنے آپ کو ذلت و عاجزی کے آخری درجہ میں سمجھا ہے۔

اس قسم کی عاجزی کرنے والا عابد ہے اور جس کے لئے یہ عاجزی کی گئی ہے وہ معبود ہے اور ایسی عاجزی عبادت ہے اس مفہومِ عبادت کے مافوق الاسباب امور یا غائبانہ ندا وغیرہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، فافہم وتدبر۔

سلسلۂ کلام میں ایک آخری شبہ کا جواب دے کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ابنِ قیم نے مدارج السالکین میں عبادت کے حسب ذیل معنے لکھے ہیں:۔

العبادة عبارة عن الاعتقاد و الشعور بان للمعبود سلطة غیبة (ای فی العلم و التصرف) فوق الاسباب یقدربها علی النفع و الضرر فکل دعاء و ثناء و تعظم ینشأ من هذا الاعتقاد فهی عبادة (جواهر القرآن ص۱۲۹)

یعنی اس اعتقاد اور شعور کا نام عبادت کہ (علم وتصرف) معبود کے لئے فوق الاسباب ایسی غیبی قوت حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع اور ضرر پر قدرت رکھتا ہے لہٰذا ہر وہ دعا، اور ثنا، اور تعظیم جو اس اعتقاد سے پیدا ہو وہ عبادت ہے۔"

یہ عبارت اس مفہوم میں صریح ہے کہ فوق الاسباب امور میں کسی کو غائبانہ طور پر پکارنا اور حاجات طلب کرنا عبادت ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اول تو ابنِ قیم کی عبارت ہم پر حجت نہیں، دوسرے یہ کہ عبادت کی یہ تعریف غلط ہے اس لئے کہ "للمعبود سلطة غیبة" میں لفظ معبود تعریفِ عبادت

کا جزو ہے جو عبادت سے ماخوذ ہے۔ جب تک عبادت کے معنے معلوم نہ ہوں، معبود کے معنیٰ معلوم نہیں ہو سکتے، ایسی صورت میں دور لازم آتا ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ تعریف اپنے تمام افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ جو شخص کسی کو غایتِ تعظیم کا مستحق جان کر اس کے لئے انتہائی تذلل اختیار کرتا ہے مگر وہ اس کے حق میں قدرتِ غیبیہ کا قائل نہیں تو اس کا یہ فعل بالاتفاق عبادت ہے مگر ابنِ قیم کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی [۲]

چوتھے یہ کہ مخالفین نے غائبانہ طور پر کسی کو پکارنے اور مافوق الاسباب امور میں حاجات طلب کرنے کا نام عبادت رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ طلب و ندا دونوں فعل محض ہیں ان میں سے کوئی بھی اعتقاد نہیں حالانکہ ابنِ قیم نے صرف اعتقاد کو عبادت کہہ دیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ "کسی کے حق میں قدرتِ غیبیہ کے اعتقاد اور شعور کو عبادت کہتے ہیں" اعتقادِ مذکور کے بغیر کسی قول و فعل کو ابن قیم نے عبادت نہیں کہا اور اگر مخالفین کے قول میں طلب و ندا کے ساتھ اعتقاد کی قید کا لحاظ کر بھی لیا جائے تب بھی ابنِ قیم کے بیان کے ساتھ مطابقت نہیں ہوتی اس لئے کہ مخالفین نے صرف غائبانہ ندا اور طلبِ حاجات کو عبادت قرار دیا ہے اور ابنِ قیم کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ قول و فعل جو اعتقادِ مذکور سے پیدا ہو وہ عبادت ہے خواہ وہ دعا یا تعظیم ہو یا ثنا۔

اس بحث میں تنگ آ کر مخالفین یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اچھا ہم نے مان لیا کہ مافوق الاسباب امور میں حاجات طلب کرنا اور کسی کو غائبانہ پکارنا عبادت نہیں مگر شرک تو ضرور ہے لہٰذا یہ فعل شرک فی العلم والتصرف قرار پائے گا۔ اس کے جواب میں مخالفین سے

---

[۱] ولا مخلص منه الا بتاویل رکیک لا یعبأ به فی التعریفات ۱۲ منہ

[۲] اگر کہا جائے کہ عقلاً غایتِ تذلل اس کے لئے ہو سکتا ہے جو قدرتِ غیبیہ رکھتا ہو لہٰذا غایتِ تذلل کے لئے معبود کے لئے معبود کی سلطۂ غیبیہ کا اعتقاد لازم ہے تو میں عرض کروں گا کہ عقلاً معبود وہی ہو سکتا ہے جو واجب الوجود وحدہ لاشریک ہو تو کیا اس قاعدہ کے مطابق نفسِ عبادت کیلئے معبود کے واجب الوجود اور لاشریک ہونے کا اعتقاد بھی لازم ہو گا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہاں آپ کس چیز کو شرک سمجھتے ہیں؟

۱۔ مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ کے لئے علم وقدرت کا اثبات شرک ہے؟

۲۔ یا محض غائبانہ نداء کو آپ شرک کہتے ہیں؟

۳۔ یا ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ شرک قرار دیتے ہیں؟

۴۔ یا دونوں کے مجموعے کو شرک مانتے ہیں!

دوسری اور تیسری صورت میں چونکہ محض ندائے غائبانہ کو شرک قرار دیا گیا ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ غائبانہ نداء کرنے والے تمام لوگ کافر ومشرک ہو جائیں حالانکہ یہ بات ہمارے مخالفین کے نزدیک بھی بالکل غلط ہے چنانچہ السلام علیک ایہا النبی ندائے غائبانہ ہونے کے باوجود نہ صرف جائز بلکہ بالاتفاق واجب ہے۔ اگر اسے شرک قرار دیا جائے تو معاذ اللہ عہدِ رسالت سے لیکر قیامت تک تمام نمازی مشرک قرار پائیں گے اور چوتھی صورت میں علم وقدرت کے اعتقاد اور ندائے غائبانہ دونوں کے مجموعے کو شرک مانا گیا ہے۔ اس لئے اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ ان دونوں کا صرف مجموعہ شرک ہے اگر ان دونوں اجزاء یعنی غیر اللہ کے حق میں علم وقدرت وتصرف کے اعتقاد اور غیر خدا کے لئے ندائے غائبانہ کو ایک دوسرے سے الگ کر لیا جائے تو ان دونوں میں سے کوئی بھی شرک نہ رہے حالانکہ یہ صریح البطلان ہے ورنہ مخالفین کے نزدیک وہ تمام لوگ اصحابِ توحید قرار پائیں گے جو غیر اللہ کو غائبانہ طور پر کبھی نہیں پکارتے مگر اس کے لئے علم وقدرت اور تصرف فی الامور کے قائل ہیں۔

اب رہی پہلی صورت اور وہ یہ کہ "غیر اللہ کے لئے مافوق الاسباب امور میں علم و قدرت اور تصرف کا اثبات شرک ہے" تو اس تقدیر پر سوال یہ پیدا ہو گا کہ غیر اللہ کے لئے مستقل ذاتی غیر مقید بالاذن علم وقدرت اور تصرف کے اثبات کو آپ شرک کہتے ہیں یا غیر مستقل عطائی مقید بالاذن علم وقدرت اور تصرف ثابت کرنا بھی آپ کے نزدیک کفر و شرک ہے۔ بر تقدیر اول ہمیں آپ سے اختلاف نہیں لیکن آج تک کسی مسلمان نے کسی غیر اللہ کے لئے مستقل اور ذاتی علم و قدرت اور غیر مقید بالاذن تصرف ثابت نہیں کیا پھر

آپ خواہ مخواہ مسلمانوں پر کفر و شرک کا الزام کیوں لگاتے ہیں ۔ اور دوسری تقدیر پر ہم عرض کریں گے کہ غیر مستقل عطائی مقید بالاذن علم و قدرت اور تصرف کا اثبات غیر اللہ کے لئے اسی وقت شرک ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اسی قسم کا غیر مستقل، عطائی اور مقید بالاذن علم و قدرت اور تصرف ثابت کیا جائے کیونکہ صفاتِ الٰہیہ کا غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا ہی شرک ہے۔ اگر غیر مستقل علم و قدرت اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں تو شرک کیسے ہوگا؟ اور اگر اللہ تعالیٰ کے لئے بھی عطائی اور غیر مستقل صفت مانی جائے تو ایسا عقیدہ خود کفر و شرک ہے ؎

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اس کے بعد اس حقیقت کا انکشاف بھی ضروری ہے کہ معترض کے جواب میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کی اصل معترض کے مسلم بزرگوں اور اکابر کی کتابوں میں مذکور ہے۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی آخری تصنیف بوادر النوادر حصہ سوم ص۷۰۲ میں لکھا ہے کہ مشرکینِ عرب اپنے آلہہ کے لئے قدرتِ مستقلہ کے قائل تھے:

"حاصل اس اعتقادِ تاثیر و عدم اعتقادِ تاثیر کے معیارِ فرق کا یہ ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اسکا مقرب ہے کچھ قدرتِ مستقلہ نفع و ضرر کی اس طرح سے عطا فرمادی ہے کہ اس کا اپنے معتقد و مخالف کو نفع و ضرر پہنچانا مشیتِ جزئیہ حق پر موقوف نہیں۔ گو اگر روکنا چاہے پھر قدرتِ حق ہی غالب ہے جیسے سلاطین اپنے نائبین و حکام کو خاص اختیارات اس طرح دیدیتے ہیں کہ ان کا اجرا اس وقت سلطانِ اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں آتا، گو روکنا چاہے، سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا سو یہ عقیدہ تو اعتقادِ تاثیر ہے اور مشرکینِ عرب کا اپنے آلہہ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا"

اس کے بعد تھانوی صاحب نے تقریرِ شرک کے دو مقدمے مقرر کر کے انہیں عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے وہ دو مقدمے حسبِ ذیل ہیں فرماتے ہیں:

"ایک یہ کہ مشرکین اس تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے دوسرے یہ کہ تصرف مقید بالاذن کا قائل ہونا شرکِ اکبر نہیں"

شرک کی تفصیل میں جتنی عبارات پائی جاتی ہیں ان میں ایک ہی مفہوم کو متعدد اور مختلف عنوانات سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً کہیں شرک کے معنی اعتقاد تاثیر کئے گئے ہیں اور کسی جگہ قدرتِ مستقلہ کے عقیدے کو شرک کہا گیا ہے۔ بعض مقامات پر شرک کی تفصیل کے تحت تصرف غیر مقید بالاذن بولا گیا ہے۔ ان مختلف عنوانوں کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی عنوان بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے مبہم نہیں رہا لیکن بعض جہلاء نے مفہوم استقلال کے بیان میں اختلال جو اس کا ثبوت دیتے ہوئے ایسا گول مول کلام کیا ہے جس کا کوئی واضح مفہوم متعین نہیں ہوتا البتہ بطورِ احتمال اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ مستقل ہونے کا مفہوم معترض کے نزدیک صاحبِ اختیار ہونا ہے جس کا قول علمارِ امت میں سے آج تک کسی نے نہیں کیا بلکہ بلغۃ الحیران کی عبارت کے پیشِ نظر معترض خود مشرک قرار پاتا ہے اس لئے کہ بلغۃ الحیران ص۱۵۷ میں صاف مذکور ہے کہ انسان خود مختار ہے۔ جب مختار ہونا استقلال کا مفہوم ٹھہرا تو ثابت ہو گیا کہ صاحبِ بلغہ بندے کو مستقل فی الاعمال مانتا ہے اور اس کا شرک ہونا معترض کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔ اس لئے صاحبِ بلغۃ الحیران کا مشرک ہونا لازمی امر ہے۔

اب مولوی اشرف علی تھانوی کی تصریحات اسی مسئلے میں ملاحظہ فرمائیے۔ تھانوی صاحب نے کہیں قدرتِ مستقلہ کا لفظ بولا جیسا کہ ان کی عبارتِ منقولہ میں آپ ابھی پڑھ چکے ہیں اور کسی جگہ تصرف غیر مقید بالاذن تحریر فرمایا۔ اس اختلافِ تعبیر سے ہر عنوان کے معنی واضح ہو گئے یعنی اعتقاد تاثیر اور قدرتِ مستقلہ کا عقیدہ، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تصرف غیر مقید بالاذن کا اعتقاد پایا جائے۔ معلوم ہوا کہ استقلال کے جو معنی معترض کے کلام سے مفہوم ہوتے ہیں وہ قطعاً باطل ہیں بلکہ اس کا صحیح مفہوم غیر مقید بالاذن ہونا ہے اور بس!

لیجئے بوادر النوادر سے تھانوی صاحب کی اور عبارت بھی ہمارے بیان کی تائید اور معترض کے ردِ بلیغ میں ملاحظہ فرمائیے۔ تھانوی صاحب بوادر النوادر حصہ دوم ص۷۰۷ پر لکھتے ہیں:-

"اور جاہلانِ عرب کا مشرک ہونا نص سے ثابت ہے پس لامحالہ وہ تصرف

غیر مقید بالاذن کے قائل تھے۔"

آمدم برسرِ مطلب!

حاضر و ناظر کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے۔

## دلیل

قال اللہ تعالیٰ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر رحمت تمام جہانوں کیلئے۔

مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھنے کے بعد آیہ کریمہ کی روشنی میں ہمارے دعویٰ کا ثبوت واضح ہو جاتا ہے:

۱۔ رحمۃ للعالمین ہونا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصفِ خاص ہے۔

۲۔ آیہ کریمہ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ وغیرہا کے کلمہ "العالمین" کا عموم دلیل خصوص پائے جانے کی وجہ سے بالاجماع باقی نہیں رہا مگر آیتِ زیرِ بحث میں جو لفظِ "العٰلمین" ہے اس کا مخصص نہیں پایا گیا اس لئے وہ اپنے عموم پر ہے ومن ادعی الخصوص فعلیہ البیان لہٰذا ہر فردِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت میں ہونا ثابت ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کے معنیٰ تفسیر روح المعانی پ۱۷ ص۹۵ پر اسی آیتِ کریمہ کے تحت مرقوم ہیں۔ "ہم نے آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رحمت یا ذارحمت یا راحماً للعالمین ہونے کے حال کے سوا اور کسی حال میں نہیں بھیجا[1]" اور اگر لفظِ رحمۃ کو مفعول لہ کہا جائے تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سببِ رحمت قرار پائیں گے۔ بہرنوع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ہر فردِ عالم کے لئے عام ہونا ظاہر ہے۔ جن حضرات نے "العالمین" کی تفسیر "الناس" یا ثقلین یا ذوی العلم سے کی ہے ان کے کلام سے العلمین کی تخصیص پر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اشرف العالمین

---

[1] وما ارسلناک فی حال من الاحوال الا حال کونک رحمۃ او ذارحمۃ او راحماً لھم ۱۲

چونکہ یہی انواعِ ثلاثہ ہیں اس لئے ان کے حق میں حضور کا رحمت ہونا بقیہ عالمین کے حق میں حضور کے رحمت ہونے کو مستلزم ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تینوں اپنے ماسوا کے متبوع اور ان سب کا مجموعہ اور خلاصہ ہیں لہذا سب کے حق میں حضور کا رحمت ہونا ثابت ہوا۔

۴۔ یہ امر بھی روشن ہے کہ جب تک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اصلِ کائنات اور تمام عالم پر فیضِ خداوندی کا واسطہ نہ ہوں اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ العالمین ہونے کے کوئی معنے نہیں ہو سکتے۔ بنا بریں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم کی اصل قرار پائے تو تمام عالم کے جمیع افراد حضور کی فرع ہوئے پس جس طرح درخت کی ہر شاخ، ہر پتے بلکہ اس کے ہر جزو میں اصل ہی کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح تمام جہانوں یعنی ماسوی اللہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نورانیت اور روحانیتِ مقدسہ جلوہ گر ہو گی اور عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت و نورانیتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ قرار پائے گا۔

آیہ کریمہ کی تفسیر میں جلیل القدر مفسرینِ کرام نے اسی مضمون کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے ملاحظہ فرمایئے: تفسیر روح المعانی پ۱۷ ص۹۶ پر مرقوم ہے:۔

"تمام جہانوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل ممکنات پر ان کی قابلیت و استعداد کے موافق فیضِ الٰہی کا واسطہ عظمیٰ ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اول مخلوقات ہے (کیونکہ اصل کا وجود فرع سے پہلے ہوتا ہے) حدیث شریف میں وارد ہے" اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے پہلے پیدا فرمایا" اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ

---

ؔ وکونه صلی اللہ علیه وسلم رحمة للجمیع باعتبار انه علیه الصلوٰة والسلام واسطة الفیض الالٰهی علی الممکنات علی حسب القوابل ولذا کان نوره صلی اللہ علیه وسلم اول المخلوقات ففی الخبر اول ما خلق اللہ تعالیٰ نور نبیك یا جابر وجاء اللہ تعالیٰ المعطی وانا القاسم و الصوفیة قدست اسرارهم فی هذا الفصل کلام فوق ذلك ۱۲

اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں اور حضرات صوفیاءِ کرام قدست اسرارہم کا کلام اس بیان میں ہمارے کلام سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے "

تفسیر عرائس البیان جلد دوم مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ص۵۲ پر ہے[۱]:

" اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے " اے صاحب فہم وخرد! اللہ تعالیٰ نے (اس آیتِ کریمہ میں) ہمیں بتایا کہ خالقِ کائنات نے اپنی کل مخلوقات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک جزو سے از عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا لہٰذا عدم سے مشاہدۂ قدم کی طرف ان (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھیجنا جمیع مخلوقات کے لئے رحمت ہے کیونکہ (مصدرِ خلائق وہی ہیں) سب کا صدور وظہور انہی کے نور سے ہے لہٰذا ان کا ہونا مخلوق کا ہونا ہے اور ان کا موجود ہونا وجودِ خلق کا موجب ہے اور ان کا وجودِ مبارک جمیع خلائق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہے اس لئے کہ سب کے

---

[۱] وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہ ایہا الفہیم ان اللہ سبحانہ اخبرنا ان نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اول ماخلقہ فی الاول من جمیع خلقہ ثم خلق جمیع الخلائق من العرش الی الثری من بعض نورہ فارسالہ من العدم الی مشاہدۃ القدم رحمۃ لجمیع الخلائق اذ الجمیع صدر منہ فکونہ کون الخلق وکونہ سبب وجود الخلق وسبب رحمۃ اللہ علی جمیع الخلائق اذ ہو سبب وجود الجمیع فہو رحمۃ کافیۃ وافہم ان جمیع الخلائق صورۃ مخلوقۃ مطروحۃ فی فضاء القدرۃ بلا روح حقیقۃ منتظرا لقدوم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاذا قدم فی العالم صار العالم حیا بوجودہ لانہ روح جمیع الخلائق قال اللہ تعالی وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہ

(تفسیر عرائس البیان جلد ۲ ص۵۲)

وجود کا سبب وہی ہیں لہٰذا وہ ایسی رحمت ہیں جو سب کے لئے کافی ہیں اور (اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ قضاء قدرت میں تمام مخلوقات صورتِ مخلوقہ کی طرح بے جان اور بغیر روح حقیقی کے پڑی ہوئی حضرتِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم میں تشریف لائے تو تمام عالم وجودِ محمدی سے زندہ ہو گیا اس لئے کہ تمام مخلوقات کی روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے ۔"

یہی مضمون تفسیر روح البیان جلد ۵ پ ۱۷ ص ۵۲۸ پر مرقوم ہے۔

آیتِ کریمہ کی جو تفسیر ہم نے جلیل القدر علماء مفسرین سے نقل کی ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی کہ تمام افرادِ ممکنات کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ اور تعلق ہے جس کے بغیر وصول فیض ممکن نہیں اور جب سب کا ربط حضور سے ہے تو حضور علیہ السلام کسی سے دور نہیں نہ کسی فردِ ممکن سے بے خبر ہیں جب وہ رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے روحِ دو عالم ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عالم کا کوئی فرد یا جزو اس روح مقدسہ سے خالی ہو جائے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہو کر روحِ کائنات ہیں اور عالم کے ہر ذرہ میں روحانیتِ محمدیہ کے جلوے چمک رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی یہ جلوہ گری علم و ادراک اور نظر و بصر سے معرّیٰ ہو کر نہیں ہو سکتی کیونکہ روحانیت و نورانیت ہی اصل ادراک اور حقیقتِ نظر و بصر ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات و ممکنات کے حقائقِ لطیفہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔

اس مضمون کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ امر خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ علماء عارفین اور اولیاء کاملین نے جو حقیقتِ محمدیہ کو تمام ذراتِ کائنات میں جاری و ساری بتایا جاتا ہے جیسا کہ وہ تمام عبارات عنقریب ہدیۂ ناظرین کی جائیں گی، اس کی اصل یہی آیۂ مبارکہ ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ نماز میں السلام علیك ایہا النبی کہنے کا حکم بھی اس امر پر مبنی ہے کہ جب حقیقتِ محمدیہ تمام ذراتِ کائنات میں موجود ہے تو ہر عبدِ مصلّی کے باطن میں بھی اس کا پایا جانا ضروری ہے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود تمام کائنات میں جلوہ گر ہونے کے اللہ تعالیٰ کے دربار سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے اس لئے نمازی کو حکم دیا گیا کہ جب تو دربارِ الٰہی میں حاضر ہو تو خطاب و ندا کے ساتھ انہیں مخاطب کرکے السلام علیك ایہا النبی کے الفاظ سے ان کی خدمت میں تحفۂ سلام پیش کر، چنانچہ قطبِ ربانی غوثِ صمدانی سیدی امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف کتاب المیزان مطبوعہ مصر ص۱۴۵ پر تشہد کے بیان میں ارقام فرماتے ہیں :

"میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ شارع (حقیقی) نے (قعدہ) تشہد میں نمازی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم صرف اس لئے دیا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بیٹھنے والے غافلوں کو اس بات پر تنبیہ فرما دے کہ جہاں وہ بیٹھے ہیں اس بارگاہ میں ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں اس لئے کہ وہ دربارِ خداوندی سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ پس نمازی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالمشافہ (روبرو) سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔" [۱]

اس عبارت میں "شہود نبیہم فی تلک الحضرۃ" (نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بارگاہِ ایزدی میں حاضر و جلوہ گر ہونا) اور "فانہ لا یفارق حضرۃ اللہ ابدًا" (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ الٰہی سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے) اور فیخاطبونہ

---

[۱] سمعت سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ یقول انما امر الشارع للمصلی بالصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التشہد لینبہ الغافلین فی جلوسہم بین یدی اللہ عز وجل علی شہود نبیہم فی تلک الحضرۃ فانہ لا یفارق حضرۃ اللہ ابدًا فیخاطبونہ بالسلام مشافہۃ اھ (کتاب المیزان للامام الشعرانی مطبوعہ مصر ص۱۴۵)

بالسلام مشافہۃً (نمازی بالمشافہ یعنی حضور کے روبرو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں) خاص طور پر قابلِ غور جملے ہیں۔ یہ تینوں جملے اس مقام پر مخالفین کے تمام شکوک و شبہات کا قلع قمع کر رہے ہیں۔ ایسے چمکتے ہوئے دلائل کے سامنے کسی کور باطن کا یہ کہنا کہ "السلام علیک ایہا النبی معاذ اللہ بعید غائب کو خطاب ہے۔ حضور کی محض خیالی صورت ہوتی ہے خود حضور بارگاہِ ایزدی میں حاضر نہیں ہوتے" کیسی دیدہ دلیری اور ہٹ دھرمی ہے؟ بھلا کوئی منصف مزاج ایسے روشن کلمات کے ہوتے ہوئے اس تنگ نظری اور تاریک خیالی کو قبول کر سکتا ہے؟

اسی مضمون کو تشہد کے بیان میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حسبِ ذیل ایمان افروز عبارت میں ارقام فرمایا ہے:

"اہلِ عرفان[1] کے طریقہ پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکیت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں حی لایموت کی بارگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ ان کی آنکھیں قربت مناجات سے ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں اس بات کی تنبیہ کی گئی کہ بارگاہِ خداوندی میں جو انہیں یہ شرفِ باریابی حاصل ہوا ہے، یہ سب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتِ متابعت کا طفیل ہے"

---

[1] ویحتمل ان یقال علی طریق اہل العرفان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لہم بالدخول فی حریم الحی الذی لا یموت فقرت عینہم بالمناجات فنبہوا علی ذلک بواسطۃ نبی الرحمۃ وبرکۃ متابعتہ فالتفتوا فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فاقبلوا علیہ قائلین السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۱۲

(فتح الباری شرح صحیح البخاری مطبوعۃ مصر جلد ۲ ص۲۵۰)

نمازیوں نے اس حقیقت سے باخبر ہو کر بارگاہِ خداوندی میں جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حبیب کے حرم میں حبیب حاضر ہے یعنی دربارِ خداوندی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہیں۔ حضور کو دیکھتے ہی السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے ہوئے حضور کی طرف متوجہ ہوئے ۔" (فتح الباری جلد ۲ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵)

یہی عبارت عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۱۱ اور مواہب اللدنیہ جلد ثانی صفحہ ۲۳ ، زرقانی شرح مواہب جلد ۷ صفحہ ۳۲۹، صفحہ ۳۳۰ ، زرقانی شرح مؤطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۱۷۰ ، سعایہ جلد ثانی صفحہ ۲۲۷ ، فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۱۲۳، اوجز المسالک جلد ۱ صفحہ ۲۶۵ پر بھی بعینہا مرقوم ہے۔ ہم نے تکرار اور اعادہ سے بچنے کے لئے صرف کتابوں کے نام مع صفحات تحریر کرنے پر اکتفا کر لیا ہے ومن شاء الاطلاع فلیرجع الیہا۔

مقامِ غور ہے کہ ان تمام کتابوں کے مصنفین اور محدثینِ کرام یعنی حافظ ابنِ حجر عسقلانی صاحبِ فتح الباری ، امامِ قسطلانی صاحبِ مواہب اللدنیہ ، امام بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری ، امام زرقانی صاحبِ شرح مواہب و شرح مؤطا ، مولٰنا عبدالحی لکھنوی صاحب سعایہ ، رحمہم اللہ تعالیٰ حتی کہ سرگروہِ منکرین و معاندین صاحب فتح الملہم و اوجز المسالک ، سب بیک زبان کہہ رہے ہیں کہ فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضرٌ یعنی نمازی جب دربارِ الٰہی میں نظر اٹھاتا ہے تو حبیب کو حرمِ حبیب میں حاضر پاتا ہے ، فوراً عرض کرتا ہے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ " اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ پر سلام ہو ، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ۔

یہ الگ بات ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا انہوں نے حاضر کے معنٰے غائب اور اثبات کے معنٰی نفی سمجھ لئے ۔ یہ ان کی اپنی شومیٔ قسمت اور کور باطنی ہے کہ انہیں کسی نماز میں حرمِ حبیب کی حاضری نصیب نہ ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان و قلم سے بھی فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر صادر کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ

اپنے دین کی تائید اور اپنے حبیب کی تعریف و توصیف منکرین و معاندین سے بھی کرالیتا ہے اور جن کے قلوب انکار و عناد کی بیماری سے پاک تھے انہوں نے پوری وضاحت کے ساتھ حق کی تائید فرمائی جس کے ثبوت میں ہم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت سعایہ سے نقل کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں :

"اہلِ معرفت کے طریق پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ نمازیوں نے جب التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں حی لایموت کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مل گئی۔ فرحتِ مناجات سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں خبردار کیا گیا کہ یہ سب کچھ بواسطہ نبی رحمت اور انہی کی برکتِ متابعت سے ہے۔ انہوں نے خبردار ہوتے ہی نظر اٹھائی تو ملکِ حبیب کی بارگاہ میں حبیب کو حاضر پایا فوراً السلام علیک ایہا النبی" کہتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ میرے والدِ علام اور استاذ قمقام نے (اللہ تعالیٰ انہیں دارالسلام میں داخل فرمائے) اپنے رسالہ "نورالایمان بزیادہ آثار حبیب الرحمٰن" میں فرمایا :

"خطابِ تشہد یعنی التحیات میں" السلام علیک ایہا النبی"

---

[1] یحتمل ان یقال علی طریق اھل المعرفۃ ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لھم فی حریم الحی الذی لایموت فقرت اعینھم بالمناجات فنبھوا علی ان ذلک بواسطۃ نبی الرحمۃ وبرکۃ متابعتہ فالتفتوا فاذا الحبیب فی حرم الملک الحبیب حاضر فاقبلوا علیہ قائلین السلام علیک ایھا النبی وقال والدی العلام واستاذی القمقام ادخلہ فی دار السلام فی رسالتہ نورالایمان بزیادۃ آثار حبیب الرحمٰن ۱۲

[2] السر فی خطاب التشہد ان الحقیقۃ المحمدیۃ کانھا ساریۃ فی کل وجود وحاضرۃ فی باطن کل عبد وانکشاف ھذہ الحالۃ علی الوجہ الاتم فی حالۃ الصلوٰۃ فحصل محل الخطاب وقال بعض اھل المعرفۃ ان العبد لما تشرف بثناء اللہ نکانہ فی حریم الحرم الالٰھی ونور بصیرۃ وجد الحبیب حاضرا فی حرم الحبیب فاقبل علیہ وقال السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اھ (سعایہ جلد۲ ص ۲۲۶/۲۲۷ مصنفہ مولوی عبدالحی لکھنوی)

کہنے کا راز یہ ہے کہ حقیقتِ محمدیہ ہر وجود میں جاری و ساری اور ہر بندہ کے باطن میں حاضر و موجود ہے۔ اس حالت کا پورا انکشاف بحالتِ نماز ہوتا ہے لہٰذا محلِ خطاب حاصل ہو گیا۔ اور بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ بندہ جب ثناءِ الٰہی سے مشرف ہوا تو اسے حرمِ الٰہی کے حریم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی اور اس کی بصیرت کو خوب روشن کر دیا گیا حتیٰ کہ اس نے حرمِ حبیب میں حبیب کو حاضر پایا، فوراً ان کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا السلام علیک ایہا النبی (اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔"

(سعایہ جلد ۲ ص ۲۲۸/۲۲۷ مصنفہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی)

حقیقتِ محمدیہ کا موجوداتِ عالم میں جاری و ساری ہونا اور ذواتِ مصلین میں اس کی جلوہ گری اور اسی بنا پر التحیات میں السلام علیک ایہا النبی کہنے کا حکم دیا جانا ایسا روشن مسئلہ ہے جس کی تصریح نہ صرف مولانا عبدالحی لکھنوی اور ان کے والدِ ماجد و دیگر ائمہ دین نے فرمائی بلکہ بکثرت علماء محدثین و علماء محققین نے اس نفیس مضمون کو اپنی تصانیف میں ارقام فرما کر اہلِ سنت پر احسانِ عظیم فرمایا چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

"اور حضور[1] صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مومنوں کا نصب العین اور عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں تمام احوال و واقعات میں خصوصاً حالتِ عبادت میں اور اس کے آخر میں کہ نورانیت اور انکشاف کا وجود

---

[1] ونیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالتِ عبادات و آخرِ آں کہ وجودِ نورانیت و انکشاف دریں احوال بیشتر و قوی تر است و بعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقتِ محمدیہ است در ذرائر موجودات و افرادِ ممکنات پس آنحضرت در ذواتِ مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں بارگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بہ انوار قرب و اسرارِ معرفت متنور و فائز گردد اھ

(اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۴۰۱)

اس مقام میں بہت زیادہ اور نہایت قوی ہوتا ہے اور بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ تمام موجودات کے ذرات اور افرادِ ممکنات میں جاری و ساری ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں لہذا نمازی کو چاہیئے کہ اس معنیٰ سے آگاہ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حاضر ہونے سے غافل نہ ہو تاکہ انوارِ قرب اور اسرارِ معرفت سے روشن اور فیضیاب ہو۔" (اشعۃ اللمعات جلد ا ص۴۰۱)

بعینہٖ یہی عبارت تیسیر القاری شرح صحیح بخاری جلد اول باب التشہد فی الآخرۃ ص۲۸۱ مطبوعہ مطبع علوی لکھنؤ ص۱۷۲/ص۱۷۳ میں موجود ہے اور مسلک الختام شرح بلوغ المرام میں ص۲۴۴ پر نواب صدیق حسن خان بھوپالی اشعۃ اللمعات کی یہی عبارت منقولہ بالا تحریر فرما کر ایک شعر بھی لکھتے ہیں ؎

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

اس کے بعد ہم علامہ محقق دوانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مستند کتاب "اخلاقِ جلالی" سے اس مضمون کی تائید مزید نقل کرتے ہیں جسے پڑھ کر انشاء اللہ العزیز اہلِ ایمان کے قلوب جلوہ ہائے انوارِ محمدی سے چمک جائیں گے۔

محقق دوانی فرماتے ہیں :۔

اس مقام پر تحقیقِ کلام یہ ہے کہ تمام اصحابِ نظر و برہان اور اربابِ شہود و عیاں اس بات پر متفق ہیں کہ بوسیلۂ قدرت و ارادۂ خدائے قدوس، امرِ کن فیکون سے سب سے پہلے جو گوہرِ مقدس دریائے غیب مکنون سے ساحلِ شہود پر آیا وہ جوہرِ بسیط نورانی تھا جسے حکماء کے عرف میں عقلِ اول کہتے ہیں اور بعض احادیث میں قلمِ اعلیٰ

سے تعبیر کیا گیا ہے اور اکابر ائمہ کشف و تحقیق اسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں اس جوہرِ نورانی نے اپنے آپ کو اور اپنے خالقِ بے مثال کو اور ان تمام افرادِ موجودات کو جو بتوسط اس جوہرِ نورانی کے خالق بے مثال سے صادر ہو سکتے ہیں جس طرح وہ افرادِ موجودات پہلے تھے اور اب ہیں اور آئندہ ہوں گے۔ سب کو جملہ کیفیات کے ساتھ بتمام و کمال جان لیا اور تمام حقائق موجودات بطور انطوائے علمی اسی جوہرِ بسیط نورانی (حقیقتِ محمدیہ) میں مندرج اور مخفی تھیں جس طرح دانہ ایک خاص طریقہ پر شاخوں، پتوں اور پھلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ کل افرادِ موجودات اسی ترتیب کے موافق جس کے ساتھ اس جوہرِ بسیط نورانی میں پوشیدہ ہیں۔ کمین گاہِ قوت سے جلوہ گاہِ فعل اور سراپردۂ غیب سے میدانِ شہود میں (بصورت) موادِ خارجیہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ ام الکتاب اسی کے پاس ہے[۱]۔"

(اخلاقِ جلالی مطبوعہ نوالکشور ص ۲۵۶/۲۵۷)

اس ایمان افروز بیان سے تصریحاتِ منقولہ بالا کی تائید کے علاوہ مندرجہ ذیل

---

[۱] و تحقیق کلام دریں مقام آں است کہ باطباق اصحاب نظر و برہان و اتفاق ارباب شہود و عیان نخستیں گوہر یکہ بامر کن فیکون بوسیلۂ قدرت و ارادہ بیچوں از دریائے غیب مکنون بساحل شہادت آمد جوہر بسیط نورانی بود کہ بعرفِ حکماء آنرا عقلِ اول خوانند و در بعضے اخبار تعبیر ازاں بقلمِ اعلیٰ رفتہ و اکابر ائمہ وکشف و تحقیق آں را حقیقتِ محمدیہ خوانند و آں جواہر نورانی خود را و مبدع خود را و ہر چہ از مبدع بتوسط او صادر تواند شد از افرادِ موجودات چنانکہ بود و ہست و خواہد بود و بدانست و تمام حقائق اعیان بر سبیل انطوائے علمی در حقیقت او مندرج و مندمج بود و ہمچنانکہ دانہ مشتمل است بنوعے از اشتمال بر اغصان و اوراق و اثمار موجودات در مواد عینی بزلو ہماں ترتیب کہ در آں جوہر مستکن است از مکمن قوت بمظہر فعل و از کتم غیب بفضائے شہود و می آیند یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب ۱۲

(اخلاقِ جلالی مصنفہ علامہ جلال الدین محقق دوانی مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ص ۲۵۶/۲۵۷)

امور بھی واضح ہو گئے :-

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولِ مخلوق ہیں۔

۲۔ حضور عقلِ اول اور قلمِ اعلیٰ ہیں۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوہرِ بسیط نورانی ہیں۔

۴۔ حضور تمام کائنات کے حقائقِ لطیفہ کے جامع ہیں۔

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کو بھی جانتے ہیں اور تمام موجودات و مخلوقات ان کے جمیع احوال کو بتمام و کمال جانتے ہیں، ماضی، حال، مستقبل میں کوئی شے کسی حال میں ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں۔

۶۔ تمام موجوداتِ خارجیہ کا ظہور حقیقتِ محمدیہ سے ہوتا ہے حتیٰ کہ ترتیبِ ظہور بھی وہی ہے جو حقیقتِ محمدیہ میں مستور ہے۔

ان امور کے علاوہ یہ امر بھی اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقتِ محمدیہ کوئی امر اعتباری غیر واقعی نہیں بلکہ وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے اور موجود خارجی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جوہرِ بسیط نورانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور مراتبِ وجود سے مرتبۂ وحدت جسے بعض صوفیائے کرام نے بربنائے مناسبت اپنی اصطلاح خاص میں حقیقتِ محمدیہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، عباراتِ منقولہ بالا میں ہرگز مراد نہیں کیونکہ مرتبۂ وحدت غیر مخلوق ہے اور حقیقتِ محمدیہ مخلوق، جیسا کہ محققِ دوانی کی عبارت زیرِ نظر اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔

ان تمام اکابر ائمہ دین و حضراتِ علماء راسخین رضی اللہ عنہم اجمعین حتیٰ کہ مخالفین و معاندین کی منقولہ بالا عباراتِ صریحہ واضحہ کی روشنی میں کسی منصف مزاج کے دل میں اس امر کے متعلق ادنیٰ تردد باقی نہیں رہ سکتا کہ آیہ کریمہ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے کتب معتبرہ کے حوالہ سے نقل کی جس کی رو سے حقیقتِ محمدیہ کا ذواتِ مصلین بلکہ تمام ذراتِ کائنات میں جاری و ساری ہونا ثابت ہو گیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو بصیغۂ خطاب پکارنا اور السلام علیک ایہا النبی کہنا اسی اصلِ عظیم پر مبنی ہے جس آیۂ مبارکہ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین صاف طور پر دلالت کر رہی ہے نیز یہ اصلِ عظیم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی ایسی روشن اور قوی دلیل ہے جس کا انکار کسی گمراہ اور کور باطن کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ وللہ الحمد!

## مقامِ حیرت

تعجب ہے کہ صاحب فتح الملہم نے اس مقام پر ہماری پیش کردہ عبارت فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر کو نقل کرنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہونے کا انکار کیا ہے اور نماز میں الفاظِ تشہد السلام علیک ایہا النبی کے صیغ خطاب کی توجیہ میں کہا ہے کہ یہاں الفاظِ خطاب کا استعمال ایسا ہے جیسے کسی بعید غائب مکتوب الیہ کے لئے خطوط میں خطاب کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ خط لکھتے وقت ہم اس کی موجودگی فرض کر لیتے ہیں اور ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہمارا یہ خط اسے ضرور مل جائے گا حالانکہ وہ اس وقت ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتا۔ (فتح الملہم جلد ثانی ص ۴۲)

العیاذ باللہ! حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عامی، بعید غائب، مکتوب الیہ قیاس کرنا اور بارگاہِ رسالت کے تحفۂ سلام عوام الناس کے سلام و پیام کی طرح ٹھہرانا، پھر دربارِ نبوت میں ہمارا سلام پہنچنے کے یقین کو ایک عامی مجہول بعید غائب مکتوب الیہ تک خط پہنچنے کے یقین کی مثل قرار دینا، مذہبی بصیرت کی روشنی میں انتہائی کور باطنی، شقاوتِ قلبی اور محرومِ القسمتی کا نشان ہے۔

دل لرز جاتا ہے جب اس خوفناک تشبیہ کو پڑھتے وقت علمار راسخین کی عبارات منقولہ بالا کی روشنی میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقتِ مقدسہ کا تمام ذراتِ کائنات میں جاری و ساری ہونا اور حرمِ حبیب میں حبیب کا حاضر ہونا یاد آتا ہے۔

اس باطل توجیہ کے قائلین سے میں دریافت کرتا ہوں کہ بتائیے آج تک کسی معتمد عالمِ دین نے یہ توجیہ کی ہے۔ اگر آپ کے پاس کوئی تصریح موجود ہو تو پیش کیجئے ورنہ

اس کے بطلان کو تسلیم کر کے حق کیطرف رجوع فرمائیے۔

پھر ان قائلین سے پوچھتا ہوں کہ آپ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کو بعید غائب مکتوب الیہ کے سلام پر قیاس کر رہے ہیں کیا دونوں میں کوئی علتِ جامعہ موجود ہے؟ کیا بعید غائب مکتوب الیہ کی حقیقت معاذ اللہ حقیقتِ محمدیہ کی طرح حقائقِ کائنات میں جاری وساری ہے؟

آپ لوگ بعید غائب مکتوب الیہ تک اپنا خط پہنچنے کو یقینی فرما رہے ہیں اس یقین کے لئے آپ کے پاس کونسی دلیل ہے؟ بسا اوقات قاصد ہمارا خط مکتوب الیہ تک نہیں پہنچاتا، کبھی خط پہنچنے سے پہلے قاصد مر جاتا ہے۔ بسا اوقات خط وصول ہونے سے قبل مکتوب الیہ فوت ہو جاتا ہے، کبھی ہمارے خطوط ضائع بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں یقین کا دعویٰ کس قدر مضحکہ خیز ہے؟ پھر ایسے مضحکہ خیز یقین کو ایسے بلند مقام پر پہنچانا کہ بارگاہِ نبوت میں نمازیوں کے سلام پہنچنے کے یقین کو معاذ اللہ اس کی مثل قرار دے دینا مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی ہی سے متصور ہو سکتا ہے۔ اہلِ بصیرت مسلمان تو اس قول کو بارگاہِ نبوت سے دوری اور محجوبی کی دلیل سمجھتا ہے۔

اس کے بعد اسی سلامِ تشہد کی بحث میں صاحب فتح الملہم نے عرف شذی سے ایک قول نقل کیا ہے جو علم وعقل، انصاف و دیانت کی روشنی میں صاحب فتح الملہم کے قول سے بھی گیا گذرا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "الفاظِ خطاب زبانِ عرب میں مخاطب کی خیالی صورت کو ذہن میں حاضر کرنے کے لئے (وضع کئے گئے) ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ مخاطب کو اس کا علم ہو۔" اس کے متعلق عرض ہے کہ انور شاہ صاحب کی اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے خطاب و نداء کے عام استعمالات کو بالکل سطحی نظر سے دیکھا، غور و فکر سے کام لینے کی کوشش نہ کی۔

درحقیقت خطاب و حضور کے صیغوں اور نداء کے الفاظ کا استعمال دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ ایک اصل کے مطابق دوسرے خلافِ اصل۔ کسی استعمال کو اصل کے مطابق قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اصل محتاج دلیل نہیں اور خلافِ اصل قرار دینا

محتاجِ دلیل ہوتا ہے اس لئے عدول عن الاصل بغیر دلیل کے جائز نہیں۔

مخاطب میں اصل یہ ہے کہ وہ حاضر ہو، علمِ صرف پڑھنے والے مبتدی بھی جانتے ہیں کہ اصل ابحاث صرف میں خطاب و غیبت کے صیغوں کو حاضر و غائب سے تعبیر کیا جاتا ہے البتہ بعض اوقات غیر مخاطب کو بمنزلہ مخاطب اور غائب کو بمنزلہ حاضر نازل کر کے حاضر و مخاطب کے صیغے استعمال کئے جاتے ہیں مگر یہ استعمال بداہۃً خلافِ اصل اور محتاج دلیل ہے اس لئے انور شاہ صاحب کا فرض تھا کہ وہ "السلام علیک ایہا النبی" میں الفاظِ خطاب کے استعمال کو خلافِ اصل ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل قائم کرتے لیکن الحمد للہ! وہ اقامتِ برہان سے عاجز رہے اور انشاء اللہ العزیز ان کے اذناب و اتباع بھی عاجز رہیں گے، تو اچھی طرح واضح ہو گیا کہ سلامِ تشہد میں الفاظ خطاب کا استعمال اصل کے مطابق ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سلامِ تشہد میں ہمارے مخاطب ہیں، فی الواقع حاضر و موجود اور حرمِ حبیب میں جلوہ گر ہیں، جب وہ تشریف فرما ہیں تو ناممکن ہے کہ ہمارے خطاب و ندا سے بے خبر رہیں۔

پھر یہ ہے کہ جس طرح خطاب میں اصل حضور ہے بالکل اسی طرح ندا میں "منادیٰ کو بلانا اور اپنی پکار سنا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا" اصل ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ایسی چیزوں کو ندا کی جاتی ہے جن میں منادیٰ ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی تو پہلے انہیں صلاحیتِ ندا رکھنے والی چیزوں کے منزلہ میں نازل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حرفِ ندا ان پر داخل کرتے ہیں جیسے "یاجبال، یاارض، یاظبیات القاع" کہ انہیں پکارنے والے کی طرف متوجہ ہونے کی صلاحیت رکھنے والے کے منزلہ میں نازل کرنے کے بعد ندا کی گئی ہے جیسا کہ شرح ملّا جامی میں بالتفصیل مرقوم ہے۔

ثابت ہوا کہ منادیٰ میں پکارنے والے کی پکار کو سننے اور متوجہ ہونے کی صلاحیت نہ رکھنا خلافِ اصل ہے اور خلافِ اصل ہمیشہ محتاج دلیل ہوتا ہے اس لئے یاجبال، یاارض، یاظبیات القاع وغیرہا اس قسم کی تمام مثالوں میں منادیٰ کا پکارنے والے کی ندا سے بے خبر رہنا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہونا خلافِ اصل ہے جس پر ان کا

ظاہر حال دلیل ہے کہ بالبداہت ان میں جاننے ، سننے اور متوجہ ہونے کی صلاحیت موجود نہیں ۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کیا مٹی ، پتھر کی طرح معاذ اللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے بھی علم و ادراک اور متوجہ ہونے کی صلاحیت کی نفی ہو سکتی ہے ؟ کیا کسی ذی ہوش کے نزدیک معاذ اللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ظاہر حال بھی مٹی پتھر اور جنگل کے ہرنوں جیسا ہو سکتا ہے ۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو السلام علیک ایہا النبی کا قیاس یاجبال ، یاارض اور یاظبیات القاع پر کیسے صحیح ہوا ؟ اور سلامِ تشہد میں الفاظِ خطاب کے خلاف اصل استعمال پر کونسی دلیل قائم ہوئی ؟ جب کوئی دلیل خلافِ اصل استعمال پر قائم نہ ہو سکی تو ثابت ہو گیا کہ یہاں الفاظِ خطاب و ندار کا استعمال عین اصل کے مطابق ہے اور ان الفاظ کی تعلیم میں یہی حکمت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرمِ حبیب میں حاضر ہیں اور سلام عرض کرنے والوں کیطرف ضرور متوجہ ہوتے ہیں ، وللہ الحمد !

رہا یہ امر کہ انور شاہ صاحب نے عرف شذی میں السلام علیک ایہا النبی کی مثال میں واجبلاہ ، واویلاہ اور یازیداہ کو پیش کیا ہے تو اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ شاہ صاحب کو یہ شور و فغاں اور واویلاہ کی ضرورت صرف اس لئے پیش آئی کہ اسی مقام پر علمار عارفین فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فرما چکے ہیں جو شاہ صاحب کے لئے ایک مصیبتِ عظمٰے ہے اور مصیبت کے وقت ہر شخص گریہ و زاری کے ساتھ واویلاہ پکارا کرتا ہے اس لئے شاہ صاحب کی زبان پر بھی بے ساختہ واویلا جاری ہو گیا اور شدتِ آہ و بکا میں انہیں اتنی بات بھی یاد نہ رہی کہ ان تینوں مثالوں میں ندبہ ہے ندا نہیں ۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ ندا کے معنٰی ہیں پکارنا اور ندبہ کے معنٰے ہیں رونا ، چلّانا اور وہ شدتِ الم میں یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ یازیداہ میں حرفِ "یا" بمعنے "وا" ہے اور "وا" رونے چلانے کے وقت صرف آواز بلند کرنے کے لئے بولا جاتا ہے ، اس سے ندا مقصود نہیں ہوتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ جسطرح

محبت محبوب کے عیب کیطرف سے اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔ اسی طرح بغض بھی مبغوض کے حسن وجمال کیطرف سے اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

کیا کسی اہلِ ایمان کے تصور میں بھی یہ بات آسکتی ہے کہ "السلام علیک ایہا النبی"، میں جس طرح خطاب اور نداء کے الفاظ مستعمل ہیں۔ معاذ اللہ اسی طرح واجبلاہ اور واویلاہ اور یا زیداہ میں بھی ندبہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ؏

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اس بحث میں ہمارے مخالفین یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ حضرتِ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں التحیات میں السلام علیک ایہا النبی پڑھا کرتے تھے، جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم السلام علی النبی پڑھنے لگے۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں ورنہ بعد الوفات بھی خطاب کا صیغہ باقی رہتا۔

اس اعتراض کے چند جواب ہیں :

اول یہ کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ بعد الوفاۃ صیغہ خطاب اس لئے باقی نہیں رہا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ظاہری حیات میں (جب کہ السلام علیک ایہا النبی پڑھا جاتا تھا) معترض بتائے کہ حاضر و ناظر تھے یا نہیں ؟ بر تقدیرِ اول معترض خود اپنے قول سے مشرک قرار پائے گا۔ اس لئے کہ جب حضور کا حاضر و ناظر ہونا شرک ہے تو وہ حیاتِ ظاہری میں بھی شرک ہو گا کیونکہ شرک کسی صورت میں بھی توحید نہیں ہو سکتا۔ اور بر تقدیرِ ثانی صیغہ خطاب کو بدلنا بے فائدہ ہو گا کیونکہ صیغہ خطاب بزعمِ معترض جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں حضور کے حاضر و ناظر ہونے پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے بعد بھی حاضر و ناظر کے معنی پر دلالت نہ ہو گی۔ پھر خطاب سے غیبت کیطرف عدول کرنے کا کیا فائدہ ہوا ؟ ثابت ہوا کہ حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا یہ مطلب ہی نہیں کہ ہم نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد السلام علیک

چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ اس کے معنی وہی ہیں جو محققین نے بیان کئے ہیں اور انشاءاللہ العزیز ہم آگے چل کر ان کی تفصیل عرض کریں گے۔

دوم یہ کہ حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے یہ معنی کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ میں السلام علیک ایہا النبی کہا کرتے تھے، حضور کی وفات کے بعد ہم نے السلام علیک ایہا النبی کی بجائے السلام علی النبی کہنا شروع کر دیا، انتہائی مضحکہ خیز ہیں اور عقل و درایت کی روشنی میں قطعاً ناقابلِ قبول! اس لئے کہ بزعمِ مخالف اس کی وجہ یہی ہے کہ بعد الوفاۃ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت سے غائب ہو گئے تو خطاب کا محل باقی نہ رہا۔ غائب کو حاضر کے صیغہ سے مخاطب کرنا درست نہیں لہٰذا اصحابہ کرام نے خطاب کو چھوڑ کر غیبت کا عنوان اختیار کر لیا۔ میں عرض کروں گا کہ اگر السلام علیک ایہا النبی میں خطاب و نداء کے معنی کو تسلیم کیا جائے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس کا پڑھنا درست نہ ہوگا، چہ جائیکہ بعد الوفاۃ اور خطاب کے الفاظ دراصل منادیٰ اور مخاطب کو سنانے کیلئے بولے جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ سینکڑوں مسلمان عہدِ رسالت میں دور دراز مقامات پر نمازیں پڑھتے تھے۔ معترضین کے مذہب کی رُو سے ان کے اس خطاب و نداء کو حضور کسی طرح نہیں سن سکتے بلکہ بزعمِ مخالفین اپنے ہمراہ نماز پڑھنے والوں کا بھی یہ خطاب حضور نہیں سن سکتے کیونکہ نماز میں التحیات جہراً نہیں پڑھی جاتی بلکہ سرّاً (خفیہ اور آہستہ) پڑھی جاتی ہے جس کا سننا وہابیہ کے نزدیک حضور کے لئے قطعاً جائز نہیں لہٰذا نمازیوں سے غائب ہونے اور ان کے الفاظ نداء و خطاب کو نہ سننے کے اعتبار سے حیات اور بعد الوفات دونوں زمانے یکساں قرار پائے۔ پھر صحابہ کا ایک زمانہ میں الفاظِ خطاب کو پڑھنا اور دوسرے میں ترک کر دینا عقل و خرد، فہم و درایت کی روشنی میں کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے اور اگر السلام علیک ایہا النبی میں خطاب و نداء کے معنی کو تسلیم نہ کیا جائے تو بعد الوفاۃ اسے ترک کر کے السلام علی النبی پڑھنا بالکل مضحکہ خیز ہوگا اس لئے کہ الفاظِ خطاب سے عدول کی وجہ یہی

تھی کہ اس میں خطاب کے معنیٰ پائے جاتے ہیں، جب ان معنیٰ کو تسلیم ہی نہ کیا گیا تو الفاظ ترک کرنا بے فائدہ نہیں تو اور کیا ہے؟

سوم یہ کہ الفاظِ حدیث میں خطاب چھوڑنے پر دلالت نہیں پائی جاتی جس سے مخالفین کو استدلال کا موقع ہاتھ آئے۔ دیکھئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المصابیح میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ "ہم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں السلام علیک ایہا النبی کہتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو ہم نے السلام علی النبی کہا" ابوعوانہ کی روایت ہے۔ بخاری کی روایت میں جو اس کے مقابل اصح ہے، یہ الفاظ نہیں بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں فلما قبض قلنا سلام یعنی علی النبی "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو ہم نے سلام کہا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر"

بخاری کی اس روایت نے بیان کر دیا کہ یہ قول حضرتِ عبداللہ بن مسعود کا نہیں بلکہ راوی کا قول ہے۔ اس نے اپنی فہم کے مطابق اپنے لفظوں میں بیان کر دیا اور اس قول میں بھی دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں ہم السلام علیک ایہا النبی کہا کرتے تھے اسی طرح حضور

---

[1] واما قول ابن مسعود کنا نقول فی حیٰوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیک ایہا النبی فلما قبض علیہ السلام قلنا السلام علی النبی فہی روایۃ ابی عوانۃ وروایۃ البخاری الاصح منہا بینت ان ذٰلک لیس من قول ابن مسعود بل من فہم الراوی عنہ ولفظہا فلما قبض قلنا سلام یعنی علی النبی فقولہ قلنا سلام یحتمل انہ اراد بہ استمررنا بہ علی ما کنا علیہ فی حیاتہ ویحتمل انہ اراد اعرضنا عن الخطاب واذا احتمل اللفظ لم یبق فیہ دلالۃ کذا ذکرہ ابن حجر ۱۲ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۱ ص۵۵۸)

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کہتے رہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہم نے خطاب چھوڑ دیا، جب الفاظ میں احتمال پیدا ہو گیا تو دلالت قطعیہ باقی نہ رہی۔" (مرقاۃ جلد ا ص۵۵۸)

ملا علی قاری کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ ابوعوانہ کی روایت سے مخالفین کا استدلال قطعاً باطل ہے۔ وللہ الحمد۔

چہارم یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو سورۂ قرآنیہ کی طرح اس تشہد کی تعلیم دیتے تھے جس میں السلام علیک ایہا النبی کے الفاظ ہیں۔ دیکھئے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔" (مسلم شریف جلد اول ص۱۷۴)

بلکہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میری ہتھیلی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تشہد سکھایا جیسے قرآن کی سورت مجھے سکھاتے تھے۔" (مسلم شریف جلد ا ص۱۷۴)

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ ایسے عظیم الشان اہتمام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم فرمائے ہوئے الفاظ کو محض اپنے خیال سے بدل دینا کتنی بڑی جسارت ہے، صحابہ کرام سے اس قسم کی دیدہ دلیری کسی طرح متصور نہیں ہو سکتی ورنہ احتمال پیدا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی طور پر سکھائی ہوئی چیزوں کو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد محض اپنے خیال اور قیاس سے بدل دیا، معاذ اللہ! ایسی صورت میں سارا دین اس احتمال کی لپیٹ میں آجائے گا جس کا تصور بھی کسی مسلمان کے لئے گوارا نہیں ہو سکتا۔

پنجم یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد جمہور صحابہ کرام السلام

---

۱؎ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القرآن ۱۲ (مسلم شريف ص۱۷۴) ۲؎ علمنى رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد كفى بين كفيه كما يعلمنى السورة من القرآن ۱۲ (مسلم شريف ص۱۷۴)

علیک ایہا النبی" پڑھتے تھے جیسا کہ عرف شذی میں شرح منہاج سے سبکی کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہ کرام حیات اور بعد الوفات دونوں حالتوں میں" السلام علیک ایہا النبی" پڑھتے تھے۔ (ملاحظہ فرمایئے عرف شذی صہ ۱۳۹)

علاوہ ازیں ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مذہب میں یہی تشہد نماز میں پڑھا جاتا ہے جس میں السلام علیک ایہا النبی کے الفاظ ہیں۔ ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں مخاطب کرنا عین حق وصواب ہے۔

اس کے بعد مخالفین کا ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے اس کا جواب دیکر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ مخالفین کہتے ہیں کہ نماز میں جو ہم "السلام علیک ایہا النبی" کہتے ہیں اس میں حضور کو مخاطب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر" السلام علیک ایہا النبی" فرمایا تھا اس سلام وخطاب کی حکایت کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مخالفین کا سلامِ تشہد کو واقعۂ معراج کی حکایت قرار دینا مخالفین کے اپنے اصول ومسلمات کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ علی الاطلاق کسی ایسی روایت کو نہیں مانتے جس کی سند موجود نہ ہو بخلاف ہمارے کہ ہم ابوابِ فضائل ومناقب میں ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی سند ہمارے سامنے نہ ہو مگر علماء محدثین یا فقہائے معتبرین ودیگر علمائے معتمد علیہم نے انہیں قبول کیا ہو۔

جس روایت کے پیشِ نظر یہ کہا جاتا ہے کہ سلامِ تشہد واقعۂ معراج کی حکایت ہے اس کی کوئی سند نہیں اگر ہے تو پیش کیجئے۔ آپ کے مولوی انور شاہ صاحب عرف شذی میں صہ ۱۳۹ پر اس روایت کے متعلق کہتے ہیں ولکنی لم اجد سند هذه الروایة "یعنی اس روایت کی سند میں نے نہیں پائی۔"

اب بتایئے بے سندی روایت پر آپ کے مسلّمات کی روشنی میں اس حکایت کا حکم کیسے قائم ہوگا؟

علاوہ ازیں بخاری شریف میں حدیثِ تشہد کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ ارشادِ مبارک مخالفین کے اعتراض کا قلع قمع کر رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

فانکم اذا قلتموھا اصابت کل عبد صالح فی السماء والارض (بخاری جلد ا ص۱۱۵)

(جب تم یہ الفاظ) سلام کہہ لیتے ہو تو وہ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جاتے ہیں "۔ ظاہر ہے کہ نقل و حکایت کی تقدیر پر سلام پہنچنے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں رہتے ۔ سلام پہنچنا اسی صورت میں متصور ہے جب کہ اپنی طرف سے انشاءِ سلام کی نیت ہو۔

کلام کو مختصر کرنے کے لئے ہم ایک تحقیقی بات تحریر کرتے ہیں۔ امید ہے ناظرینِ کرام اسے بغور ملاحظہ فرما کر حق و باطل میں امتیاز فرمائیں گے ۔

اور وہ یہ ہے کہ جن عبارات میں سلام تشہد کا علیٰ سبیل الحکایت ہونا وارد ہے ، وہاں مجرد حکایت مراد نہیں بلکہ حکایت علیٰ طریق الانشاء مراد ہے یعنی چونکہ اللہ تعالےٰ نے شبِ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "السلام علیک ایہا النبی" کے ساتھ مخاطب فرمایا تھا لہذا نمازی کو بھی چاہیے کہ حرمِ حبیب میں حبیب کو حاضر پاکر واقعۂ معراج کے مطابق بہ نیت انشاء سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک ایہا النبی کے ساتھ مخاطب کرے نہ یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کے سلام کی نقل و حکایت ہو اور نمازی خود اپنی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انشاء سلام کی نیت نہ کرے ۔ معاذ اللہ ایسا کہنا تمام محدثین و فقہاء بلکہ ساری امتِ مسلمہ کے خلاف چل کر سبیلِ مومنین سے اعراض کرنا اور جہنم کیطرف جانا ہے ہمارے حضرات اہلِ سنت مقلدین کو تو ایک طرف رکھیئے ، غیر مقلدوں سے پوچھیئے تو وہ بھی مجرد حکایت کے قائل نہیں دیکھیئے عون المعبود میں "السلام علیک ایہا النبی" کے تحت مرقوم ہے :

فان قیل کیف شرع ھٰذا اللفظ وھو خطاب بشر مع کونه منھیا عنه فی الصلوٰة فالجواب ان ذلك من خصائصه صلی اللہ علیه وسلم (عون المعبود جلد ا ص۳۶۵)

" یعنی اگر کہا جائے کہ "السلام علیک ایہا النبی" کیسے شروع ہوا حالانکہ وہ خطابِ بشر ہے اور خطابِ بشر نماز میں جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

خصوصیات سے ہے "۔

دیکھئے اگر یہاں مجرد حکایت ہوتی تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کیوں کہ محض بطریقِ حکایت تو "یا آدم ، یا نوح ، یا ابراہیم ، یا موسیٰ" حتیٰ کہ یا ہامان بھی قرآنِ مجید میں وارد ہے اور وہ الفاظ قراءتِ قرآن کے اثناء میں نمازوں میں پڑھے جاتے ہیں اور ان کا پڑھنا مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔

پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا قول کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ غیر مقلدوں کے نزدیک بھی سلامِ تشہد میں خطاب اور انشاء کا ہونا ضروری ہے مجرد حکایت کا قول قطعاً باطل اور مردود ہے۔

علیٰ ہذا القیاس علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مضمون کو مختصر الفاظ میں ادا کیا ہے۔ علامہ موصوف حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کے بیان میں فرماتے ہیں ومنها ان المصلی یخاطبه بقوله السلام علیك ایها النبی ولا یخاطب غیره ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے یہ امر بھی ہے کہ نمازی اپنے قول السلام علیک ایہا النبی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتا ہے اور حضور کے غیر کو خطاب نہیں کر سکتا۔ (مواہب اللدنیہ جلد ۱ صـ۴۴۲)

محدثین کے بعد فقہاء کرام کی طرف آیئے اور ان کی عباراتِ جلیلہ کو دیکھئے پھر آپ کو معلوم ہو گا کہ مجرد حکایت کا قول مردود ہے یا نہیں؟

درِ مختار میں ہے :۔

"نمازی[1] الفاظِ تشہد سے ان معنی کا قصد کرے جو اس کی مراد ہیں اور یہ قصد

---

[1] (ویقصد بالفاظ التشهد) معانیها مرادةً له علی وجه (الانشاء) کانه یحیی الله تعالیٰ ویسلم علی نبیه وعلی نفسه واولیائه (لا الاخبار) عن ذلك ذکره فی المجتبی وظاهره ان ضمیر علینا للحاضرین لا حکایة سلام الله تعالیٰ ۱۲
(در مختار جلد ۱ صـ۳۷۶)

علی وجہ الانشاء ہو، گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحفے پیش کر رہا ہے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور خود اپنی ذات اور اولیاء اللہ پر سلام پیش کر رہا ہے اخبار اور حکایت، سلام کی نیت ہرگز نہ کرے۔ اس کو مجتبیٰ میں ذکر کیا اور اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ "علینا" کی ضمیر تمام حاضرین کے لئے ہے، سلام تشہد بہ نیت انشاء کہا جائے، اللہ تعالیٰ کے سلام کی نقل و حکایت کا ارادہ نہ ہو۔"

(درمختار جلد ا ص۴۷۶)

علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں:

"مصنف[1] کے قول (لا الاخبار عن ذلک) کے معنی یہ ہیں کہ نمازی تشہد میں اس واقعہ کی نقل و حکایت کا ارادہ نہ کرے جو معراج میں صلے اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالےٰ سبحانہ اور فرشتوں سے واقع ہوا تھا۔"

(شامی جلد ا ص۴۷۶)

صاحبِ درمختار اور علامہ شامی دونوں نے مجرد حکایت و اخبار کے قول کو رد فرما کر انشاءِ سلام کے قصد کو متعین فرما دیا۔

عالمگیری میں ہے:

"نمازی[2] کے لئے الفاظِ تشہد کے معانی موضوعہ کا اپنی طرف سے بطور انشاء مراد لینا اور ان کا قصد کرنا ضروری ہے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ

---

[1] (قولہ لا الاخبار عن ذلک) ای لا یقصد الاخبار و الحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن اللہ سبحانہ ومن الملائکۃ علیہم السلام (شامی جلد ا ص۴۷۶)

[2] ولا بد من ان یقصد بالفاظ التشہد معانیہا التی وضعت لہا من عندہ کانہ یحیی اللہ تعالیٰ و یسلم علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی نفسہ و اولیاء اللہ تعالیٰ کذا فی الزاہدی ۱۲

(عالمگیری جلد ا ص۳۷)

کو تحفہ پیش کر رہا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی ذات و اولیاءِ
کرام پر سلام عرض کر رہا ہے ۔"
(عالمگیری جلد ا مطبوعہ مجیدی کانپور ص ۳۷)
الدر المنتقی فی شرح الملتقی جلد اول ص ۱۰۰ پر ہے لابد ان یقصد بالفاظ
التشہد الانشاء یعنی الفاظِ تشہد سے انشاء کا قصد کرنا ضروری اور لابدی ہے ۔"
مراقی الفلاح ص ۱۵۵ میں قصدِ انشاء کو ضروری قرار دیکر آخر میں فرمایا خلافا
لما قاله بعضهم انه حكاية سلام الله لا ابتداء سلام من المصلى
یعنی نمازی کی یہ نیت انشاء سلام اس قول کے خلاف ضروری ہونی چاہیئے جو بعض لوگوں نے
کہدیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہو، نمازی اپنی طرف سے ابتداء سلام کی نیت نہ
کرے ، ملاحظہ ہو مراقی الفلاح ص ۱۵۵ ۔
ان تمام عبارات سے یہ مسئلہ اظہر من الشمس ہو گیا کہ السلام
علیک ایہا النبی میں صرف حکایتِ معراج کا قصد کرنا جائز نہیں بلکہ انشاءِ سلام اور خطاب
کی نیت بھی ضروری ہے ۔
آخر میں دیوبندیوں کے ایک مقتدا کی عبارت نقل کر کے آخری حجت تمام کرتا
ہوں ناظرینِ کرام بغور ملاحظہ فرمائیں :
اوجز المسالک جلد ا ص ۲۶۵ پر ہے :

---

له وعلى هذا التوجيه فالكاف ابقاء للحكاية على اصلها ولكن ينبغي ان يقصد
بكلامه هذا احينئذٍ الانشاء لا مجرد الحكاية قال الشامي ويقصد بالفاظ التشهد
معانيها مرادة له على وجه الانشاء كانه يحيي الله تعالى ويسلم على نبيه صلى الله عليه وسلم
وعلى نفسه واوليائه ولا يقصد الاخبار والحكاية عما وقع في المعراج عنه صلى
الله عليه وسلم انتهى فعلم بهذا ان للمشائخ في توجيه الخطاب ثلثة
اقوال مجرد الاتباع وكون الحبيب في حريم الحبيب وحكاية ما في المعراج
على طريق الانشاء ١٢ (اوجز المسالك جلد ا ص ۲۶۵)

"اس توجیہ پر کاف خطابِ حکایت کو اس کی اصل پر باقی رکھنے کے لئے ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اس وقت نمازی ان الفاظ سے انشاءِ سلام کا قصد کرے۔ مجرد حکایت کا ارادہ ہرگز نہ ہو۔ علّامہ شامی نے کہا کہ نمازی الفاظِ تشہد سے ان کے مرادی معنے کا انشاء کے طریقے پر قصد کرے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تحفے پیش کر رہا ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنی ذات و اولیاءِ کرام پر سلام عرض کر رہا ہے اور اس واقعہ کی نقل وحکایت کا بالکل ارادہ نہ کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج میں واقع ہوا تھا۔ اس قول سے معلوم ہوا کہ خطاب کی توجیہ میں مشائخ کے تین قول ہیں۔ مجرد اتباع، اور حبیب کا حریم حبیب میں حاضر ہونا اور انشاء کے طریق پر واقعۂ معراج کی حکایت کرنا۔"

الحمدللہ! اس عبارت سے ہمارے لکھے ہوئے مسائل بالکل واضح ہو گئے۔ سلامِ تشہد میں حکایت علی طریق الانشاء بھی ثابت ہو گیا اور توجیہ خطاب میں فاذا الحبیب فی حریم الحبیب بھی مذکور ہو گیا۔ اگر مخالفین اس بیان کو عقل و انصاف کی روشنی میں پڑھیں تو انہیں ہمارے مسلک کی حقانیت میں ذرہ برابر شبہ نہیں رہ سکتا۔ اس تمام بحث کے آخر میں اتنی بات اور عرض کر دوں کہ جب دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ نمازی کا التحیات میں السلام علیک ایہا النبی کہنا اس امر پر مبنی ہے کہ دربارِ خداوندی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہیں تو یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ کوئی مقام اور کوئی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں۔ بلکہ دن میں، رات میں، مشرق و مغرب میں، سفر و حضر میں، زمین کے کسی گوشے پر، پہاڑ کی چوٹی پر یا ریت کے ٹیلے پر، سمندر میں، ہوائی جہاز میں، جہاں کہیں اس نے نماز کی نیت باندھی فوراً دربارِ خداوندی میں حاضر ہو گیا اور جب وہ حریمِ ذات میں پہنچا تو حبیب کی حریم میں حبیب کو حاضر پایا یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حاضر ملے، تو صاف ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے دور نہیں البتہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لئے دور ہو سکتے ہیں کہ ہم اس دربار میں حاضر نہیں ہوتے۔

رہا یہ امر کہ ہر نمازی کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں نظر نہیں آتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری نظر کا قصور ہے۔ جن اہلِ بصیرت کو اللہ تعالےٰ نے یہ نور عطا فرمایا ہے وہ دیکھتے ہیں ہمیں لازم ہے کہ اگر خود دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیکھنے والے کی بات مان لیں۔ کعبہ کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے مگر نماز کی نیت باندھتے وقت ہر شخص کہتا ہے "میرا منہ کعبہ شریف کی طرف" یہ کہنا اسی لئے ہے کہ کعبہ دیکھنے والوں کے قول کو تسلیم کر لیا ورنہ ہمیں بغیر دیکھے کہاں معلوم کہ کعبہ کی کونسی طرف ہے؟ پس اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی عارفین کا قول تسلیم کر لیا جائے تو کونسی قباحت ہے؟

اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ بحکمِ قرآن وحدیث نمازی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجابت فرض ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ نماز بولنا بھی مفسدِ صلوٰۃ نہیں حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص سے بحالتِ نماز بات کرنا مفسدِ صلوٰۃ ہے بلکہ اگر یوں کہہ دیا جائے کہ نماز میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بات کرنا واجب ہے تب بھی کوئی قباحت لازم نہیں آتی کیونکہ تشہد واجب ہے اور اسی تشہد میں ہی "السلام علیک ایہا النبی" بھی ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب کے ساتھ انشاءِ سلام یقیناً کلام ہے تو نماز میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سلام و کلام کا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہونا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم حرمِ حبیب میں ضرور حاضر ہیں کیونکہ غیر سے کلام کرنا اسی لئے مفسدِ صلوٰۃ ہے کہ جب غیر سے کلام کیا جائے گا تو اللہ تعالےٰ کے دربار سے اعراض ہو گا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دربارِ خداوندی سے الگ نہیں ورنہ ان کو مخاطب کرنے سے بھی حریمِ الٰہی سے اعراض ہوتا۔ اور نماز فاسد ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ ثابت ہوا کہ مشائخ کا حرمِ حبیب میں حبیب کو حاضر ماننا عین حق و صواب ہے اور جن لوگوں نے اپنی بے بصری کی بنا پر اس کا انکار کیا ہے وہ نماز کی حقیقت سے

بالکل بے خبر ہیں۔

الحمد للہ علی احسانہ آیتِ کریمہ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ کی روشنی میں یہ تمام مضامین سلسلہ وار سامنے آتے رہے اور ہمارے ناظرینِ کرام اس مرحلہ تک پہنچ گئے کہ حرمِ حبیب میں حبیب کو حاضر پالیا۔ اہلِ بصیرت اور احبابِ فہم و فراست کے لئے یہ مضمون انشاء اللہ العزیز نہایت مفید اور دل کش ثابت ہوگا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

سیّد احمد سعید کاظمی
غفر لہ

# حصّہ دوم

دعویٰ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں جسمانیت اور بشریت کے ساتھ نہیں بلکہ بایں طور کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت و نورانیتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے اور روحانیت و نورانیتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے لئے قرب اور بعد مکان یکساں ہے کیونکہ عالم خلق زمان و مکان کی قید سے مقید ہوتا ہے لیکن عالمِ امر ان قیود سے پاک ہے لہذا بہ یک وقت متعدد مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا اور ایک ہی وقت میں دور دراز مقاماتِ کثیرہ اور امکنہ متعددہ میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اہل اللہ کا دیکھنا اور کھلم کھلا بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا دلائل کی روشنی میں ایسا واضح امر ہے کہ جس کا انکار کوئی متدیّن مسلمان نہیں کر سکتا۔ اس دعویٰ کی تنقیحات حسبِ ذیل ہیں :

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کو اپنی نظر مبارک سے دیکھ رہے ہیں۔

۲۔ مقاماتِ کثیرہ و امکنہ متعددہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا نہ صرف ممکن بلکہ امرِ واقع ہے۔

اب ان تنقیحات پر نمبروار دلائل ملاحظہ فرمائیے :

**تنقیح ۳۔** قال اللہ تعالیٰ قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین۔ جلالین شریف میں اس آیہ کے تحت ہے (قد جاء کم من اللہ نور) ھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ علامہ صاوی اس پر فرماتے ہیں سمی نور الانہ اصل کل نور حسی و معنوی۔

ترمذی شریف جلد ۲ ص۵۶۸ مطبوعہ فخر المطابع دہلی ۱۳۷۰ھ سطر ۱۵، اللھم اجعل لی نورًا فی قلبی ونورًا فی قبری ونورًا من بین یدی و نورًا من خلفی و نورًا عن یمینی و نورًا عن شمالی ونورًا من فوقی و نورًا من تحتی ونورًا فی سمعی ونورًا فی بصری ونورًا فی شعری ونورًا فی بشری ونورًا فی لحمی ونورًا فی دمی ونورًا فی

عظامی اللھم اعظم لی نورًا و اعطنی نورًا و اجعل لی نورًا و
فی روایة و اجعلنی نورًا کما حکاہ القسطلانی فی المواھب و
ذکرہ الزرقانی ایضًا (جلد رابع ص۲۲۰)

اس مبارک حدیث میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اعضاء مبارکہ کے نور ہونے کی دعا فرما کر اس امر کا اظہار فرمادیا کہ ہم جسمانی طور پر بھی نور ہیں۔ اس مقام پر یہ شبہ وارد کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کہ اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ابتداء سے نور ہوتے تو اللھم اجعلنی نورًا فرما کر نور بننے کی دعا کیوں فرماتے؟ اس لئے کہ کسی نعمت کے لئے دعا کرنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نعمت قبل از دعا حاصل نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت جو کتاب و سنت سے ثابت کی گئی اس کے خلاف "مشھود لھم بالخیر" حضرات صحابہ و تابعین ومَن بعدہم ائمہ مجتہدین و محدثین و علماءِ راسخین میں سے کسی نے تصریح نہیں کی۔ اس لئے اگر اس معنی پر اجماعِ امت کا ادعا کیا جائے تو بعید از صواب نہ ہوگا۔ چونکہ قیاس ہمیشہ مسائل غیر منصوصہ میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ کتاب و سنت میں منصوص ہے اس لئے خلافِ قیاس بھی نہیں۔

**تنقیح ۴** - نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کو اپنی نظرِ مبارک سے ملاحظہ فرمارہے ہیں قال اللہ تعالیٰ یایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا و مبشرا و نذیرًا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرًا (پ۲۲ سورۃ احزاب)

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ماسوا دیگر اوصافِ جمیلہ کے شاہد اور سراجِ منیر کی نورانی صفتوں سے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو متصف قرار دیا ہے۔ "شاہدًا" کے معنی حاضر و ناظر ہیں۔

مفرداتِ امامِ راغب اصفہانی ص۲۶۹ پر ہے:

| | |
|---|---|
| الشھود و الشھادۃ الحضور مع المشاھدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ۔ | نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بصر یا بصیرت کے ساتھ مشاہدہ فرماتے ہوئے حاضر ہیں۔ |

اب رہا یہ سوال کہ یہ کس چیز پر حاضر ہیں ؟ اس کا جواب علامہ ابوالسعود سے لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں :۔

(انا ارسلناك شاهدا) على من بعثت اليهم تراقب احوالهم وتشاهد اعمالهم وتتحمل عنهم الشهادة بما صدر عنهم من التصديق والتكذيب وسائر ما هم عليه من الهدىٰ والضلال وتؤديها يوم القيٰمة اداءً مقبولا مالهم وما عليهم۔

(تفسیر ابو سعود جزو ۶ صفحہ ۹۰)

اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم نے بھیجا آپ کو شاہد (حاضر و ناظر) بنا کر ان سب پر جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ان کے احوال کی نگہبانی فرماتے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں یعنی ان سب کے کاموں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور آپ ان سے تحمل شہادت فرماتے ہیں یعنی ان کے گواہ بنتے ہیں ان تمام چیزوں پر جو ان سے صادر ہوئیں تصدیق سے اور تکذیب سے اور باقی ان تمام چیزوں سے جن پہ وہ ہیں ہدایت اور گمراہی سے، اور آپ اس شہادت کو ادا فرمائیں گے قیامت کے دن جو ادا کی ہوئی ہوگی ان تمام باتوں میں جو ان کے فائدے کے لئے ہوں گی اور ان تمام باتوں میں بھی جو ان کے نقصان کے لئے ہونگی۔"

بیضاوی شریف جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ مصر میں ہے :

(شاهدا) على من بعثت اليهم بتصديقهم وتكذيبهم ونجاتهم وضلالهم۔

مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۲۳۵ پر ہے :

(يا ايها النبى انا ارسلنك شاهدا) على من بعثت اليهم وتكذيبهم وتصديقهم۔

جلالین مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۳۵۳ پر ہے :

شاهدًا على من ارسلت اليهم۔

جمل جلد ۳ ص۴۴۲ پر ہے:

(قوله على من ارسلت اليهم) اى تترقب احوالهم و تشاهد اعمالهم و تتحمل الشهادة على ما صدر عنهم من التصديق و التكذيب و سائر ما هم عليه من الهدى و الضلال تؤديها يوم القيمة اداء مقبولا فيما لهم و فيما عليهم۔

روح المعانی پارہ ۲۲ ص۴۲ پر ہے:

(يا ايها النبى انا ارسلناك شاهدا) على من بعثت اليهم تراقب احوالهم و تشاهد اعمالهم و تتحمل عنهم الشهادة بما صدر عنهم من التصديق و التكذيب و سائر ما هم عليه من الهدى والضلال و تؤديها يوم القيمة اداء مقبولا فيما لهم و ما عليهم۔

اسی قسم کی عبارت تفسیر کبیر جلد ۶ ص۷۸۸ پر ہے۔

تفاسیر کی عبارات منقولہ سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان سب پر حاضر و ناظر ہیں جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اب یہ عرض کرتا ہوں کہ کائنات میں سے کس کس کی طرف رسول بن کر تشریف لائے ہیں تو سنئے:

صحیح مسلم کی حدیث طویل میں وارد ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "ارسلت الی الخلق کافۃ" "یعنی میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ (مسلم شریف جلد ۱ ص۱۹۹ کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، مشکوٰۃ کتاب الفتن باب فضائل سید المرسلین جلد ۲ ص۳۰۷)

عباراتِ مذکورہ کو حدیث شریف سے ملائیے اور یوں کہیے کہ:-

شاھدا علی من ارسلت      حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام پر شاہد ہیں

الیھم وارسلت الی الخلق کافۃ۔ — جن کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے اور وہ ساری مخلوق کیطرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں لہذا ساری مخلوق پر شاہد اور حاضر و ناظر ہیں"

اب لغتِ حدیث سے بھی اس مضمون کو ثابت کرتا ہوں ملاحظہ فرمایئے (مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۲۲)

وانا شھید ای اشھد علیکم باعمالکم فکانی باق معکم انا شھید علی ھؤلاء ای اشفع و اشھد بانھم بذلوا ارواحھم للہ و فیہ ان تعدیہ ینافیہ فمعناہ حفیظ علیھم اراقب احوالھم و اصونھم من المکارہ۔ — اور میں شہید ہوں یعنی میں تم پر تمہارے اعمال کی شہادت دونگا پس گویا میں تمہارے ساتھ باقی ہوں۔ اور طبرانی میں "انا شھید علی ھؤلاء" وارد ہوا ہے یعنی میں شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا اس بات کی کہ انہوں نے اپنی روحوں کو اللہ کے لئے خرچ کیا ہے۔ اور اس مقام میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ "علیٰ" ضرر کے لئے آتا ہے اور شہادت نفع کے لئے ہو گی

لہذا "شہید" کا "علیٰ" کے ساتھ متعدی ہونا اس معنی کے منافی ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں "شہید" معنی میں رقیب کے ہے اور رقیب "علیٰ" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے لہذا اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ میں ان پر رقیب یعنی نگہبان ہوں اور ان کے حالات کی نگہبانی فرماتا ہوں اور ان کو تکلیفوں سے بچاتا ہوں"

نیز اسی جلد ۲ کے صفحہ ۲۲۱ پر ہے:

والشاھد من اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ — شاہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ میں سے ہے اس لئے

يشهد يوم القيمة للانبياء على الامم بالتبليغ ويشهد على امته و يزكيهم اوهو بمعنى الشاهد للحال كانه الناظر اليها۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے لئے ان امتوں کے خلاف اس امر کی گواہی دیں گے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اپنی امتوں کو پہنچا دیئے اور اپنی امت پر بھی گواہی دیں گے اور ان کا تزکیہ فرمائیں گے یعنی یہ ارشاد فرمائیں گے کہ میری امت جنہوں نے امم سابقہ پر گواہی دی ہے وہ گواہی دینے کے اہل ہیں اور ان سے کوئی عمل ایسا سرزد نہیں ہوا جو ان کی عدالت کے منافی ہے اور جس کی وجہ سے وہ گواہی کے اہل نہ رہیں۔ یا حضور کا شاہد ہونا شاہد للحال ہونے کے معنٰی میں ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حال کیطرف ناظر ہیں اور اپنی ظاہری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نظرِ بصیرت سے دیکھنا گویا کہ نظر بصر سے دیکھنا ہے۔"

پس واضح ہوگیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تمام دنیا نہیں بلکہ تمام مخلوقات پر حاضر ہیں اور ان کو اپنی بصر یا بصیرت سے دیکھ رہے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ اخبار الاخیار صہ ۱۵۵ پر اپنے مکتوبات شریف میں ارقام فرماتے ہیں :۔

"و باچندیں اختلافات وکثرتِ مذاہب کہ در علماءِ امت است کہ یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقتِ حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل دائم و باقی

اور باوجود اس قدر اختلافات اور بکثرت مذاہب کے جو علماءِ امت میں ہیں ایک شخص کو بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بغیر شائبہ مجاز اور بلا توہم تاویل حقیقتِ

است و بر اعمالِ امت حاضر و ناظر و مرطالبانِ حقیقت را و متوجہانِ آں حضرت را مفیض و مربی است۔

حیات کے ساتھ دائم و باقی ہیں اور اعمالِ امت پر حاضر و ناظر ہیں اور طالبانِ حقیقت اور اپنی طرف متوجہ ہونیوالوں کو فیض پہنچاتے ہیں اور ان کی تربیت فرماتے ہیں "

عالمِ امر کے زمان و مکان کی قیود سے پاک ہونے پر دلیل یہ ہے کہ ملک الموت علیہ السلام جو عالمِ امر سے ہیں آنِ واحد میں ہزاروں ارواح کو قبض کرتے اور امکنۂ متعددہ میں تشریف فرما ہوتے ہیں، مسلمات سے ہے۔ اگر عالمِ امر کے لئے قیودِ زمان و مکان کو تسلیم کیا جائے تو ملک الموت علیہ السلام کا آن واحد میں بے شمار روحوں کو قبض کرنا اور مقاماتِ کثیرہ پر تشریف فرما ہونا کیونکر ممکن ہوگا۔ روح المعانی کی عبارت نقل ہو چکی ہے کہ جبریل علیہ السلام جب بصورت دحیہ کلبی وغیرہ حاضرِ بارگاہِ نبوت ہوتے تھے تو سدرۃ المنتہٰی سے جدا نہ ہوتے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب شمائمِ امدادیہ میں فرماتے ہیں :۔

" البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیئے۔ اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے مضائقہ نہیں کیونکہ عالمِ خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالمِ امر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ برکات کا بعید نہیں "

(شمائمِ امدادیہ مصدقہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ)

قد جاءکم من اللہ نور میں " نور " سے صرف نورِ ہدایت مراد لینا کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرنا ہے۔ اصول کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ کتاب اللہ کا مطلق خبرِ واحد سے بھی مقید نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ محض اپنے گمان سے تقیید کر لی جائے۔

دعویٰ یہ ہے کہ قد جاءکم من اللہ نور کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مطلق بن کر تشریف لائے یعنی حضور ایسا نور ہیں کہ جس کے ساتھ کوئی قید نہیں اور اس کا مفاد یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق نور ہیں، ہدایت کا نور، علم کا نور،

ایمان کا نور، جسم کا نور، جان کا نور، زمین کا نور، آسمان کا نور، غرض تمام نوروں کا نور حضور کی ذاتِ پاک ہے۔ اس مقام پر ہدایت کی قید لگا کر باقی انواع نور کا انکار کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ فرمایئے، صاحب روح المعانی اسی آیتِ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:-

(قد جاءکم من اللہ نور) نور عظیم وھو نور الانوار و النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم۔

جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور عظیم ہیں اور صرف ہدایت کا نور نہیں بلکہ آپ نور الانوار ہیں یعنی تمام نوروں کا نور ہیں اور وہ نوروں کا نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بلکہ بنفسِ نفیس خود نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام نوروں کا نور ہیں۔
(روح المعانی پ۶ ص۸۷ مطبوعہ مصر)

یہ اعتراض کہ اگر نور سے حقیقی اور جسمانی نور مراد ہے تو قرآن و توریت کو بھی حقیقی اور جسمانی نور سمجھنا چاہیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وانزلنا الیکم نورا مبینا (پ۶) اور انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور (پ۶) اور اگر حضور علیہ السلام واقعی جسمانی اور حقیقی نور ہیں تو بخاری شریف کی اس حدیث کا کیا جواب ہو گا جس میں صاف وارد ہے کہ حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کی تاریکی میں اندھیرے حجرے میں سوتی ہوتی تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھتے ہوتے تھے اور تاریکی کی وجہ سے حضرتِ عائشہ کو حضور کی نقل وحرکت کا پتہ نہ چلتا تھا اور اس وجہ سے حضور علیہ السلام سجدہ میں جاتے وقت حضرتِ عائشہ کے پاؤں کو دبا دیتے تھے جس کی وجہ سے حضرتِ عائشہ اپنے پاؤں ہٹا لیتی ہیں پھر حضور سجدہ فرماتے تھے۔ اگر حضور نور تھے تو حضور کے گھر میں اندھیرا کیوں رہتا تھا!

اس کے علاوہ یہ کہ جب حضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور نور ہیں تو کسی جگہ بھی اندھیرا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ جس جگہ نور حاضر ہو وہاں اندھیرے کا کیا کام! اب آپ کے لئے ایک ہی صورت ہے یا حضور کو نور کہہ لیجئے، حاضر و ناظر ہونے کا نام نہ لیجئے۔ یا حاضر و

ناظر ہی مان لیجئے اور نور ہونے کا تذکرہ نہ فرمایئے کیونکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا تاریکی کے منافی ہے۔ نیز اس مسلک پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ حضور نور ہو کر ہر جگہ ہر وقت ہر شخص کو نظر آنے چاہئیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوتا پھر یہ دعوے کیونکر تسلیم کیا جائے؟ اگر حضور جسمانی طور پر بھی نور ہوتے تو حضور کی اولاد بھی نور ہوتی کیوں کہ ہر ایک کی اولاد اس کی جنس سے ہوتی ہے لیکن ظاہر ہے سادات کرام عام انسانوں کی طرح بشر ہیں، نور نہیں! معلوم ہوا کہ حضور عام انسانوں کی طرح بشر ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک، پیاس، راحت و آرام، تکلیف و مشقت، صحت و مرض حتیٰ کہ زخم اور خون بہنے کے عوارض بھی لاحق ہوتے یہ سب حالات نورانیت کی تردید کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضور کو بشریت سے نکال کر نورانیت کی طرف لے جانا حضور کی شان میں گستاخی ہے۔ اس لئے کہ بشر کا مرتبہ نور سے زائد ہے تمام نوری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کم مرتبہ رکھتی ہے۔ اگر حضور کو نوری کہا جائے تو آقا کو ماتحت اور سردار کو غلام بنانے کے مترادف ہو گا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محض نورِ ہدایت ہیں۔ بایں معنیٰ کہ حضور کا کام صرف اتنا ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کا راستہ دکھا دیں۔ یہ ہدایت کرنے کی صفت حضور کو بشریت سے مستثنیٰ کر کے نور نہیں بنا سکتی۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ہر ہدایت کرنے والا جو نور ہدایت سے متصف ہے وہ بشر نہیں۔ اور ترمذی کی حدیث سے یہ ثابت کرنا کہ حضور نور تھے، صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث میں تو صرف نور ہونے کی دعا مذکور ہے نہ یہ کہ حضور نور ہیں۔ یہ دعا تو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ کم از کم دعا کرتے وقت تو حضور نور نہ تھے ورنہ دعا کی حاجت ہی کیا تھی!

یہ اعتراض کہ قرآن و حدیث کو بھی نور کہا گیا ہے لہذا وہاں بھی نور کے وہی معنیٰ لیجئے جو آیہ کریمہ قد جاءکم من اللہ نور میں مراد لئے ہیں۔ ایک خوبصورت مغالطہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن و توریت کا نور ہونا مسلم ہے لیکن یاد رکھئے کہ تمام کتب سماویہ پیغاماتِ الٰہیہ ہونے کی حیثیت سے ذوات و اعیان نہیں بلکہ محض

محض معانی ہیں۔ اس لئے یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ ان کی نورانیت معانی سے متجاوز ہو کر ذوات و اعیان کی حدود میں نہیں آسکتی لہٰذا وہاں نورِ ہدایت ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اگر وہاں نور کے مفہوم کو اعیان و معانی کے لئے عام کر دیا جائے تو قرآن و توریت معنٰی کی بجائے ذوات و اعیان قرار پائیں گے جو بداہتہً باطل ہے۔ البتہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعیان و معانی دونوں کے جامع ہیں کیونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس بھی ہے اور حضور کے صفات بھی ہیں ، ذات عین ہوتی ہے اور صفت معنٰی لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بھی اعیان و معانی دونوں کا جامع ہو گا۔

رہا یہ اعتراض کہ اگر حضور علیہ السلام جسمانی نور بھی ہیں تو حضرتِ عائشہ صدیقہ کے حجرے میں اندھیرا کیوں رہتا تھا ؛ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جسمانی نور کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ جہاں اس کا وجود ہو وہاں حسِّ بصری سے محسوس ہونے والا اجالا بھی ضرور پایا جائے۔ حضرتِ عائشہ صدیقہ کے حجرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہوتے کے وقت کراماً کاتبین بھی یقیناً موجود ہوتے تھے اور ان کے جسمانی نور ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے خلقت الملائکة من النور داخرجه مسلم (بیضاوی شریف ص۶۴ مطبوعہ مجتبائی دہلی) لیکن اس کے باوجود کہ ملائکہ کرام جسمانی نورانیت رکھتے ہوئے حضرتِ صدیقہ کے حجرے میں موجود ہیں پھر بھی ظاہری آنکھوں سے نظر آنے والا اجالا نہیں ہوا اور اندھیرا ہی رہا۔ اب یا تو ملائکہ کی نورانیتِ جسمانیہ کا انکار کیجئے یا اعتراض کو غلط سمجھئے۔

حقیقت یہ ہے کہ نور کے ادراک کے لئے اس کے شایانِ شان نور کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی نور کا ادراک اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ادراک کرنے والے میں اس نور کے ادراک کرنے کے قابل نور نہ پایا جائے۔ دیکھئے ایک نابینا آفتاب و ماہتاب کے نور کا ادراک نہیں کر سکتا اس لئے کہ نابینا نورِ بصر سے محروم ہے۔ بالکل اسی طرح ملائکہ کے نور کا اس وقت تک ادراک نہیں ہو سکتا جب تک کسی شخص کے اندر نورِ ملکیت علی وجہ الکمال نہ پایا جائے۔ ادراک کے معنٰی احاطہ کے ہیں جو چیز جتنی زیادہ لطیف ہو گی اسی قدر احاطہ سے بعید ہو گی۔ کسی لطیف شئے

کے عدمِ ادراک کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ادراک کرنے والے کے اندر وہ لطیف نور ہی موجود نہیں جو اس لطیف شئے کا ادراک کر سکے۔ ملائکہ کا نور آفتاب و ماہتاب کے نور سے زیادہ لطیف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک ملائکہ بلکہ جمیع انوارِ لطیف سے لطیف بلکہ الطف ہے۔ جب ہماری آنکھوں کا نور ملائکہ کے نور کو ادراک کرنے سے بھی عاجز ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نورِ مبارک کا ادراک کیوں کر کر سکتا ہے؟ ہمارے اس عدمِ ادراک کو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدمِ نورانیت کی دلیل قرار دے رہے ہیں حالانکہ یہ خود آپ کے بے نور ہونے کی دلیل ہے! لطیف کی لطافت جتنی زیادہ ہوگی وہ اسی قدر ادراک سے بالاتر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی لطافت تمام لطافتوں سے بالاتر ہے اسی لئے وہ ادراک (احاطہ) کی قید سے پاک ہے قال اللہ تعالیٰ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر گویا اللہ تعالیٰ کا لطیف ہونا اس کے غیر مدرک ہونے کی دلیل ہے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباسِ بشریت نہ پہنایا جاتا تو کسی فردِ بشر کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادراک ممکن نہ ہوتا کیونکہ لطیف کا ادراک کثیف کے لئے خلافِ عادت ہے مگر اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ خرقِ عادت پر بھی قدرت رکھتا ہے اور اسی کی قدرت سے بسا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی نورِ لطیف اس عالمِ اجسام کثیفہ میں ظاہر ہوا اور دیکھنے والوں نے بطورِ خرقِ عادت اپنی آنکھوں سے دیکھا جس کا بیان بکثرت احادیثِ مبارکہ میں وارد ہوا ہے۔

بعینہٖ یہی جواب اس دوسرے اعتراض کا ہے کہ اگر حضور باوجود نور ہونے کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر کسی جگہ بھی اندھیرا نہ ہونا چاہئے۔ یہ سب اعتراضات ہمارے مسلک کی نافہمی سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کی جسمانیت اور بشریتِ مطہرہ کے ساتھ حاضر و ناظر نہیں مانتے بلکہ حضور کی حقیقتِ مقدسہ کو ذاتِ کائنات میں جاری و ساری مانتے ہوئے روحانی طور پر حضور علیہ السلام کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔

تنقیح ۲۔ مقاماتِ کثیرہ اور امکنہ متعددہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا صرف ممکن بلکہ امرِ واقع ہے۔ بخاری شریف جلد ۲ کتاب التعبیر صہ ۱۰۳۵ مطبوعہ اصح المطابع :

| | |
|---|---|
| عن ابی ھریرۃ قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ ولا یتمثل الشیطان بی۔ ایضا مسلم شریف جلد ۲ کتاب الرؤیا ۲۴۲ مطبوعہ نول کشور۔ ایضا ابوداؤد کتاب الادب باب الرؤیا صہ ۳۲۹ جلد ۲ مطبوعہ نولکشور۔ | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میرا ہم شکل نہیں ہو سکتا۔ |

حدیث شریف کے معنی بالکل واضح ہیں کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور حدیث میں یہ اشکال ہے کہ فی الواقع ایسا نہیں ہوتا کہ ہر وہ شخص جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہو وہ بیداری میں بھی حضور کو دیکھ لے۔

اس کے متعدد جوابات دئے گئے ہیں لیکن محققین کے نزدیک صرف ایک ہی جواب ایسا ہے جو نہایت ہی واضح اور شکوک و شبہات سے پاک ہے اور وہ جواب ساداتِ صوفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیا ہے۔ جس کو شیخ شنوانی نے پسند فرمایا ہے۔ حاشیہ الشیخ محمد الشنوانی علیٰ مختصر ابن ابی جمرہ مطبوعہ مصر صہ ۵۳۷ پر ہے :

| | |
|---|---|
| وقال السادۃ الصوفیۃ یراہ یقظۃً فی دار الدنیا فالمعنی حینئذٍ ان من رآہ مناما کان مشتاقا واشتد شوقہ رآہ فی الیقظۃ کما وقع لکثیر من | اور ساداتِ صوفیہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے والا دارِ دنیا میں بحالت بیداری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے۔ اس وقت حدیث کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ جس نے |

| | |
|---|---|
| الاولیاء منهم الشیخ ابو العباس المرسی قال لو احتجبت عنه صلی الله علیه وسلم طرفة عین ما عددت نفسی من المسلمین وکذلك سیدی ابراهیم المقبولی کان ینظر النبی صلی الله علیه وسلم یقظة و کذلك الشیخ السحیمی و شیخنا البرادی نفعنا الله بالجمیع ۔ | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور وہ حضور کو بیداری میں دیکھنے کا مشتاق ہوگیا اور اس کا یہ شوق حد سے متجاوز ہوگیا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں ضرور دیکھ لے گا۔ جیسا اکثر اولیاء کرام کے لئے واقع ہوا ان میں سے شیخ ابوالعباس مرسی ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اوجھل ہو جاؤں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں اور اسی طرح سیدی ابراہیم مقبول رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ |

صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھتے تھے اور اسی طرح شیخ سحیمی اور ہمارے شیخ برادی رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جمال مبارک جاگتے ہوئے کھلم کھلا دیکھا کرتے تھے۔"

روح المعانی پارہ ۲۲ صـ۳۲ (۳۶) میں اسی حدیث کے متعلق صاحبِ روح المعانی امام ابو محمد ابن ابی جمرہ کا قول نقل فرماتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| هذا الحدیث یدل علی ان من یراه صلی الله علیه وسلم فی النوم فسیراه فی الیقظة وهل هذا علی عمومه فی حیوته و بعد مماته علیه الصلوة والسلام | یہ حدیث "من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة" دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا وہ عنقریب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیداری میں دیکھ لے گا۔ رہا یہ سوال کہ یہ حدیث اپنے |

او هذا كان في حياته و هل ذلك لكل من رآه مطلقا او خاص بمن فيه الاهلية والاتباع لسنته عليه الصلوٰة والسلام اللفظ يعطي العموم ومن يدعي الخصوص فيه بغير مخصص منه صلى الله عليه وسلم فمتسف واطال الكلام في ذلك ثم قال وقد ذكر عن السلف والخلف هلم جرًّا من كانوا رأوه صلى الله عليه وسلم في النوم وكانوا ممن يصدقون بهذا الحديث فرأوه بعد ذلك في اليقظة وسألوه عن اشياء وكانوا منها متشوشين فاخبرهم بتفريجها

عموم پر ہے۔ حضور کی حیاتِ ظاہری اور وفاتِ اقدس کے بعد یا یہ حیاتِ ظاہری کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز یہ سوال کہ یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جس نے حضور کو دیکھا، مطلقاً یا خاص ہے ان لوگوں کے ساتھ جن میں اہلبیت اور اتباعِ سنت کا وصف پایا جاتا ہے تو ان دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ الفاظِ حدیث تو عموم[1] ہی کا فائدہ دیتے ہیں اور جو شخص حضور کی تخصیص کے بغیر اپنی طرف سے خود بخود تخصیص کا دعویٰ کرے وہ متعصب ہے۔ اور امام موصوف نے اس کے متعلق کلام طویل فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک چلے آئیے۔ ان میں سے جو لوگ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے بعد بیداری میں دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیزوں کے متعلق

---

[1] الفاظِ حدیث کے افادۂ عموم کی جو توجیہ امام ابو محمد بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی ہے نہایت صحیح اور بے غبار ہے رہا شیخ محمد شنوانی کا قول ہے کہ وکان مشتاقا واشتد شوقه اس کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے ع للناس فیما یعشقون مذاهب ۱۲

| | |
|---|---|
| ونص لهم علی الوجوه التی | سوال کیا جن میں وہ متردد تھے تو حضور |
| منها یکون فرجها فجاء | صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشیاء میں تردد |
| الامر کذلك بلا زیادة و | سے کشادگی کی خبر دی اور ان کے لئے |
| لا نقص انتهى المراد منه۔ | ایسے وجوہ کی تصریح فرمائی جن سے وہ |

متردد فیہا امور بالکل کشادہ ہو جائیں اور پھر حضور کے فرمان کے مطابق بلا کم کاست اسی طرح وہ امور واقع ہوئے۔"

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بیداری میں تشریف فرما ہونے اور اپنے غلاموں کو اپنے لطف وکرم سے مستفید ہونے پر اکابر علماءِ امت اور علماءِ محققین کی اتنی تصریحات موجود ہیں کہ ان تمام کو نقل کرنے کے لئے یہ مختصر وقت کسی طرح مکتفی نہیں ہو سکتا۔ مشتے نمونہ از خروارے چند عبارات پیش کرتا ہوں:

روح المعانی پارہ ۲۲ ص۳۳ پر ہے:

| | |
|---|---|
| فقد وقعت رؤیته | بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا |
| صلی الله علیه وسلم | دیکھنا آپ کی وفات کے بعد اور بیداری |
| بعد وفاته بغیر واحد | میں حضور سے فیض لینا امتِ محمدیہ |
| من الکاملین من هذه | کے بکثرت کاملین کے لئے واقع ہوا ہے |
| الامة والاخذ منه | جیسا کہ شیخ سراج دین بن الملقن نے |
| یقظة کما قال الشیخ | طبقات الاولیاء میں |
| سراج الدین بن الملقن | فرمایا ہے۔ |
| فی طبقات الاولیاء الی | |
| اخره۔ | |

اس عبارت کے بعد صاحب روح المعانی نے شیخ سراج دین رحمۃ اللہ علیہ کی نقول پیش کرتے ہوئے حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مفصل واقعہ بیان کیا ہے جس میں صاف صاف مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور علیہ السلام

کے بعد حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ظاہر و باہر تشریف لائے اور حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دہن مبارک میں اپنا مقدس لعابِ دہن ڈالا اور وہ فیض پہنچایا جس کی شال نہیں مل سکتی پھر شیخ خلیفہ بن موسےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نقل فرمایا:

| | |
|---|---|
| كان كثير الرؤية لرسول الله عليه الصلوٰة والسلام يقظة ومنامًا۔ | حضرت شیخ خلیفہ بن موسےٰ رضی اللہ عنہ سوتے جاگتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کثرت سے دیکھنے والے تھے۔ |

اس کے بعد صاحبِ روح المعانی نے حضرت شیخ تاج الدین ابن عطاء اللہ کا قول "لطائف المنن" سے اس طرح نقل فرمایا:-

| | |
|---|---|
| قال رجل الشيخ ابي العباس المرسي ياسيدي صافحني بكفك هٰذه فانك لقيت رجالًا و بلادًا فقال والله ماصافحت بكفي هٰذه الا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وقد قال الشيخ لو حجب عني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم طرفة عين ماعددت نفسي من المسلمين ونقل هٰذه النقول كثير في كتب القوم جدًّا۔ | کسی شخص نے حضرت شیخ ابوالعباس مرسی سے عرض کیا اے میرے سردار آپ اس ہتھیلی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ فرمائیں اس لئے کہ آپ بڑے شہروں میں گھومے ہیں اور بڑے مردانِ خدا سے آپ نے ملاقات کی ہے حضرت شیخ ابوالعباس مرسی نے فرمایا خدا کی قسم میں نے اس ہتھیلی سے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔ حضرت امام تاج الدین نے فرمایا کہ حضرت شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر پلک جھپکنے کی مقدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے حجاب میں ہو جائیں |

(روح المعانی پ۲۲ ص ۳۳/۳۴ مطبوعہ مصر)

تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں اور اس جیسی نقول کتب قوم میں بہت زیادہ ہیں۔

اس کے بعد اسی بحث میں صاحب روح المعانی نے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت تنویر الملک سے نقل فرمائی جس کو بلفظہا پیش کرتا ہوں :

فحصل من مجموع هذا الكلام المنقول والاحاديث ان النبي صلى الله عليه و سلم حي بجسده وروحه وانه يتصرف و يسير حيث شاء في اقطار الارض وفي الملكوت وهو بهيئته التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شئ و انه مغيب عن الابصار كما غيبت الملائكة مع كونهم احياء باجسادهم فاذا اراد الله تعالى رفع الحجاب عمن اراد اكرامه برؤيته راه على هيئته التي هو عليه الصلوة والسلام عليها لا مانع من ذلك ولا داعي الى التخصيص

ان تمام نقول اور احادیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے جسم مبارک اور روحِ اقدس کے ساتھ زندہ ہیں اور بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اطرافِ زمین اور ملکوتِ اعلیٰ میں جہاں چاہتے ہیں سیر اور تصرف فرماتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اسی ہیئتِ مبارکہ کے ساتھ ہیں جس پر وفات سے پہلے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی چیز بدلی نہیں ہے اور بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری آنکھوں سے غائب کر دیے گئے ہیں جسطرح ملائکہ غائب کر دیے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ سب اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہیں جب اللہ تعالےٰ اپنے کسی بندے کو اپنے حبیب

برؤیۃ المثال اھ
روح المعانی ص ۳۶

صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دکھا کر عزت و بزرگی عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو دور کر دیتا ہے اور وہ مقرب بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ہیئت پر دیکھ لیتا ہے جس پر حضور واقع میں ہیں۔ اس روایت سے کوئی چیز مانع نہیں اور رؤیتِ مثالی کی تخصیص کی طرف کوئی امر داعی نہیں۔"

اور زرقانی جلد ا ص ۸ مطبوعہ مصر میں ہے:

لایمتنع رؤیۃ ذاتہ علیہ السلام بجسدہ وروحہ۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کے جسمِ اقدس اور روحِ مبارک کے ساتھ دیکھنا محال نہیں ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دیکھنے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دیکھنے والے نے حضور کی ذاتِ اقدس اور روحِ مبارک کو دیکھا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمالِ محمدی دیکھنے والا حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک جسمِ مثالی کو دیکھ رہا ہے جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مجردہ قدسیہ متعلق ہے اور اس امر سے کوئی شے مانع نہیں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مثالی اجسام بے شمار تعداد میں متعدد ہو جائیں اور ہر جسدِ اقدس کے ساتھ روحِ مقدس کا بالکل وہی تعلق رہے جو ایک جسم کے الگ الگ اعضاء اور اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ روح المعانی میں نہایت تفصیل کے ساتھ وارد ہے ملاحظہ فرمائیے:-

والمرئی اما روحہ علیہ الصلوٰۃ والسلام التی ھی اکمل الارواح تجرداً وتقدساً بان تکون قد تطورت وظہرت بصورۃ مرئیۃ بتلک الرؤیۃ مع بقاء تعلقھا

اور جو چیز دیکھنے میں آتی ہے وہ یا روح مبارک ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تجرد اور تقدس کے لحاظ سے تمام روحوں میں سب سے زیادہ کامل ہے۔ بایں طور کہ وہ روحِ مبارک ظاہری صورت میں اس رؤیت کے

بجسده الشریف الحی
فی القبر السامی المنیف
علی حد ما قاله بعضهم
ان جبریل علیه السلام مع
ظهوره بین یدی النبی
علیه الصلوٰة و السلام فی
صورة دحیة الکلبی وغیره
لم یفارق سدرة المنتهیٰ
واما جسد مثالی تعلقت
به روحه صلی الله تعالیٰ
علیه وسلم المجردة
القدسیة ولا مانع من
ان یتجدد الجسد المثالی
الی ما لا یحصی من الاجساد
مع تعلق روحه القدسیة
علیه من الله تعالیٰ الف
الف صلوٰة وتحیة بکل
جسد منها ویکون هذا
التعلق من قبیل تعلق الروح
الواحدة باجزاء بدن واحد
ولا تحتاج فی ادراکاتها
واحساساتها فی ذلک التعلق
الی ما تحتاج الیه من الآلات

ساتھ نظر آنے لگتی ہے اور اس روح
اقدس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس جسدِ مبارک کے ساتھ باقی
ہے جو قبرِ مبارک میں زندہ ہے۔ یہ
قول بعض محققین کے اس قول کے بالکل
مطابق ہے کہ جبریل علیہ السلام جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
حضرت دحیہ کلبی وغیرہ کی صورت میں
حاضر ہوتے تھے تو سدرۃ المنتہیٰ سے
جدا نہ ہوتے تھے (دیکھئے جبریل علیہ
السلام زمین پر بھی ہیں اور اسی وقت
سدرۃ المنتہیٰ پر بھی موجود ہیں) اور
یا مثالی جسم نظر آتا ہے جس کے ساتھ روح
مجردہ قدسیہ متعلق ہے اور اس سے
کوئی شے مانع نہیں ہے کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے مثالی جسم لاتعداد و
لاتحصیٰ ہو جائیں اور روح قدسیہ کا
تعلق ہر جسم سے مساوی طور پر رہے
اور یہ تعلق بالکل ایسا ہے جیسا کہ ایک
روح ایک بدن کے الگ الگ اجزاء و
اعضاء سے تعلق رکھتی ہے اور مثالی
جسموں میں وہ روح اپنے ادراکات و
احساسات میں ان آلات کی قطعاً محتاج

فی تعلقها بالبدن فی الشاهد وعلی ما ذکر یظهر وجه ما نقله الشیخ عبد الغفار عن شیخ ابی العباس الطبخی من انه رای السماء و الارض والعرش والکرسی مملوءة من رسول الله صلی الله علیه وسلم وینحل به السوال عن کیفیة رؤیة المتعددین له علیه الصلوٰة والسلام فی زمان واحد فی اقطار متباعدة ولا یحتاج معه الیٰ ما اشار الیه بعضهم وقد سئل عن ذلک فانشد به

کالشمس فی کبد السماء وضؤها
یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

(روح المعانی پ۲۲ ص۳۵ مطبوعہ مصر)

نہیں ہوتی جن کی ضرورت اسے کسی مشاہدہ کرنے والے شخص میں اس کے بدن کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے[1] اور اس بیان پر اس قول کی وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے، جس کو شیخ صفی الدین بن منصور، اور شیخ عبد الغفار نے حضرت شیخ ابو العباس طنجی سے نقل کیا اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابو العباس طنجی نے آسمانوں اور زمینوں اور عرش اور کرسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا دیکھا۔ نیز اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد لوگ ایک ہی وقت میں دور دراز مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ اس بیان کے ہوتے ہوئے اس مضمون کی بھی حاجت نہیں رہتی جس کی طرف بعض بزرگوں نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے جب ان سے اس رؤیت کے متعلق سوال کیا گیا

---

[1] مثلاً جسم کا کوئی عضو جسم سے الگ ہو جائے تو روح کا تعلق اس سے نہیں رہتا۔ اس کے برخلاف مثالی جسم بے شمار تعداد میں الگ الگ اور دور دور ہوتے ہیں پھر بھی ان سب سے روح کا تعلق ہوتا ہے اور تمام جسموں کے ساتھ روح کے ادراکات اور احساسات اور ہر قسم کے تصرفات ظاہر ہوتے رہتے ہیں ۱۲ منہ

تو انہوں نے یہ شعر پڑھ دیا ؎

کالشمس فی کبد السماء وضوءھا ۔۔۔ یغشی البلاد مشارقا و مغاربا

یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس سورج کی طرح ہیں جو آسمان کے وسط میں ہو اور اس کی روشنی مشرقوں اور مغربوں کے تمام شہروں کو ڈھانک لے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اقطارِ عالم کے اندر تشریف فرما ہونا کیونکہ ناممکن ہو سکتا ہے۔ حضرتِ عیسٰے علیہ السلام کو دیکھئے کہ آسمان پر ہونے کے باوجود زمین پر بھی تشریف فرما ہوتے ہیں اور ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس وقت صرف زمین پر ہیں آسمان پر نہیں۔ علامہ سید محمود آلوسی اسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

اخرج ابن عدی عن انس بینا نحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ رأینا بردا و یدًا؟ فقلنا یا رسول اللہ ما ھذا البرد الذی رأینا والید قال قد رأیتموہ قالوا نعم قال ذلک عیسیٰ بن مریم سلم علی۔

ابن عدی نے حضرتِ انس سے روایت کیا اس اثناء میں کہ ہم (صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ناگہاں ہم نے ایک چادر اور ایک ہاتھ دیکھا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کیا ہے یہ چادر جو ہم نے دیکھی اور یہ ہاتھ کیسا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا تم نے دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا حضور ہاں! فرمایا یہ عیسیٰ بن مریم ہیں جنہوں نے مجھ پر سلام عرض کیا۔"

---

اور سنیئے!

اسی مقام پر بلکہ اسی حدیث کے نیچے صاحبِ روح المعانی ایک دوسری حدیث ارقام فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:-

| | |
|---|---|
| وفی روایۃ ابن عساکر عنہ | اور ابنِ عساکر کی ایک روایت میں |
| کنت اطوف مع النبی صلی | حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے |
| اللہ تعالیٰ علیہ وسلم | مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں حضور |
| حول الکعبۃ اذ رأیتہ | صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کا طواف |
| صافح شیئا ولم اراہ | کر رہا تھا۔ ناگہاں میں نے رسول اللہ |
| قلنا یا رسول اللہ رأیناک | صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے |
| صافحت شیئا ولا نراہ | کسی سے مصافحہ فرمایا اور میں نے |
| قال ذلک اخی عیسی بن | اسے نہیں دیکھا۔ ہم نے عرض کیا ' |
| مریم انتظرتہ حتی قضی | یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے |
| طوافہ فسلمت علیہ۔ | آپ کو دیکھا کہ آپ نے کسی سے مصافحہ |

فرمایا مگر ہم نے اس کو نہیں دیکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ میرے بھائی عیسٰے ابن مریم ہیں۔ میں ان کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے طواف سے فارغ ہو گئے پھر میں نے ان پر سلام پیش کیا۔"

دیکھیے حضرتِ عیسٰے علیہ السلام آسمانوں پر رونق افروز ہوتے ہوئے زمینوں پر بھی موجود ہیں اور ایک عیسٰے علیہ السلام پر کیا موقوف ہے احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں علیٰ روس الاشہاد عرض کرتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مقربانِ بارگاہِ ایزدی کسی ایک مکان میں مقید نہیں ہوتے۔ ایک مکان کیا بلکہ ایک جہان میں بھی وہ مقید نہیں ہوتے بلکہ بیک وقت تمام جہانوں میں تشریف فرما ہوں تو ممکن بلکہ واقع ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج بیت المقدس میں انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمائی اور تمام انبیاء و رسل نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی جیسا کہ تفسیر ابنِ جریر جزو ۵ صـ۳ پر ہے:

| | |
|---|---|
| ثم انطلقنا حتی اتینا | حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں |
| الی بیت المقدس فصلیت | پھر ہم چلے یہاں تک کہ بیت المقدس |

فیہ بالنبیین والمرسلین اماماً ثم عرج بی الی السماء الدنیا۔

پہنچے ۔ میں نے وہاں تمام نبیوں اور رسولوں کو امام بن کر نماز پڑھائی۔ پھر مجھے پہلے آسمان کیطرف لیجایا گیا۔"

یہی مضمون ابو یعلیٰ نے امّ ہانی سے، مسلم نے ابوسلمہ اور سیدنا ابنِ مسعود سے، طبرانی نے اوسط میں ابی امامہ سے اور بیہقی نے ابوسعید سے، اور امام احمد نے حضرتِ ابن عباس سے روایت فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ؛ مواہب اللدنیہ جزو ۲ ص ۱۶/۱۷ مطبوعہ مصر، صحیح مسلم جلد ۱ ص ۹۶ مطبع انصاری دہلی۔ باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفرض الصلوات۔

بیت المقدس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے گئے اور وہاں آدم علیہ السلام، یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام، یوسف علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام و موسےٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور ان سب سے ملاقات فرمائی۔ بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۴۸/۵۴۹ مطبوعہ اصح المطابع باب المعراج، مسلم شریف مطبوعہ اصح المطابع جلد ۱ ص ۹۳ باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہاں قابلِ غور امر یہ ہے کہ ان میں سے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات پا چکے ہیں۔ وہ اپنی قبورِ مبارکہ کے اندر عالمِ برزخ میں بھی موجود ہیں جو ایک مستقل جہان ہے اور اس جہانِ دنیا میں بھی مسجد بیت المقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں اور جب حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر رونق افروز ہوتے ہیں (جسے عالمِ آخرت کہنا چاہیئے) تو وہاں بھی اپنے اپنے مقامات پر یہ حضرات موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بیک وقت عالمِ دنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں موجود ہیں۔ جب ہر عالم میں ان حضرات کا بیک وقت موجود ہونا ثابت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مکان میں موجود ہونا کیوں کر ناممکن ہو سکتا ہے!

دیکھئے اسی حدیثِ معراج سے بالکل یہی مضمون امامِ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کیا ہے چنانچہ امامِ موصوف الیواقیت والجواہر جلد دوم صـ۳۶ مطبوعہ مصر میں فوائد معراج کی تفصیل فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :۔

ومنها شهود الجسم الواحد في مكانين في آن واحد كما رای محمد صلی اللہ علیہ وسلم نفسه في اشخاص بني آدم السعداء حين اجتمع به في السماء الاولیٰ كما مر وكذلك آدم و موسیٰ وغيرهما فانهم في قبورهم في الارض حال كونهم ساكنين في السماء فانه قال رأيت آدم رأيت موسیٰ رأيت ابراهيم واطلق وما قال رأيت روح آدم ولا روح موسیٰ فراجع صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ في السماء وهو بعينه في قبره في الارض قائما يصلي كما ورد فيا من يقول ان الجسم الواحد لا يكون في مكانين

اور فوائدِ معراج میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک جسم آنِ واحد میں دو مکانوں میں حاضر ہو گیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بخت اولادِ آدم کے افراد میں خود اپنی ذاتِ کریمہ کو بھی ملاحظہ فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ آدم علیہ السلام کے ساتھ پہلے آسمان پر جمع ہوئے تھے جیسا کہ گذرا اور اسی طرح آدم اور موسٰے علیہما السلام اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پس بیشک وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زمین میں اپنی قبروں کے اندر ہیں دراں حالیکہ وہ آسمانوں میں بھی سکونت رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً اس طرح فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو دیکھا موسٰی علیہ السلام کو دیکھا، ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، روح کی قید

كيف يكون ايمانك بهذا
الحديث فان كنت مؤمنا
فقلد و ان كنت عالما
فلا تعترض فان العلم
يمنعك و ليس لك
الاختيار فانه لا يختبر
الا الله و ليس لك ان تتاول
ان الذى فى الارض غير
الذى فى السماء لقوله
عليه الصلوة والسلام
رأيت موسى و اطلق
وكذلك سائر من راه
من الانبياء هنالك
فالمسمى موسى ان لم
يكن عينه فالاخبار
عنه كذب انه موسى
هذا ۔

کے ساتھ مقید فرما کر اس طرح نہیں فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کی روح کو دیکھا اور نہ یوں فرمایا کہ موسے علیہ السلام کی روح کو دیکھا جس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ ان انبیاء علیہم السلام ہی کو دیکھا تھا نہ کہ ان کی ارواح یا امثال کو) پھر حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے چھٹے آسمان پر موسٰے علیہ السلام کے ساتھ گفتگو اور مراجعت فرمائی حالانکہ موسٰے علیہ السلام بعینہٖ زمین میں اپنی قبر شریف کے اندر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جیسا کہ (مسلم شریف) کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔ پس انتہائی افسوس ہے اور تعجب اس کہنے والے پر جو یہ کہتا ہے کہ ایک جسم بیک وقت دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا (اے قائل) ذرا یہ تو بتا دے کہ اس قول کے ہوتے ہوئے تیرا ایمان اس حدیث پر کیونکر ہو سکتا ہے اگر تو مومن ہے تو تجھے مان لینا چاہیئے ، اگر تو عالم ہے تو اعتراض نہ کر، اس لئے کہ علم تجھے روکتا ہے اور تجھے حقیقتِ حال کا علم نہیں اس لئے کہ یہ علم حقیقتہً اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور نہ تیرے لئے یہ بات بھی جائز نہیں کہ تو اس حدیث میں یہ تاویل کر لے کہ جو انبیاء زمین میں وہ انکے

غیر ہیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمان میں دیکھا۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "رایت موسٰے" مطلقاً فرمایا اور اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کے متعلق جنہیں حضور علیہ السلام نے آسمانوں میں دیکھا (یہ نہیں فرمایا کہ میں نے آسمان میں ان کے غیر کو دیکھا جو زمین میں ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو موسٰے فرمایا اگر وہ بعینہٖ موسٰی علیہ السلام نہ ہوں تو ان کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ موسٰے ہیں، کذب ہوگا۔ العیاذ باللہ!

آگے چل کر امامِ شعرانی نے فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| ثم ان المعترض ینکر علی الاولیاء مثل ھذا فی تطوراتھم وقد کان قضیب البان یتطور فیما شاء من الصور فی اماکن متعددۃ وکل صورۃ خوطب فیھا اجاب ان اللہ علی کل شیٔ قدیر۔ | پھر معترض اولیاء اللہ کے متعدد صورتوں میں ظاہر ہونے کا انکار کرتا ہے حالانکہ حضرت قضیب البان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن صورتوں میں چاہتے تھے مختلف مقامات میں متصور ہو کر ظاہر ہو جاتے تھے اور جس صورت میں بھی آپ کو پکارا جاتا تھا آپ ضرور جواب دیتے تھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ |
| | (الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص۳۶) |

بزرگانِ دین کا اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ متمثل ہو کر متعدد مقامات میں ظاہر ہونا درحقیقت ایک ایسا کمال ہے جو ان حضرات کو قوتِ قدسیہ کی تکمیل کے بعد حاصل ہو جاتا ہے۔ دیکھئے صاحبِ روح المعانی اپنی تفسیر پارہ ۲۳ ص ۱۳ پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| والنفس الناطقۃ الانسانیۃ | اور انسانی روحیں جب مقدس |

اذا كانت قدسية قد تنسلخ من الابدان و تذهب متمثلة ظاهرة بصور ابدانها او بصور اخرى كما يتمثل جبريل عليه السلام ويظهر بصورة دحية او بصورة بعض الاعراب كما جاء في صحيح الاخبار حيث يشاء الله عز و جل مع بقاء نوع تعلق لها بالابدان الاصلية يتاتى معه صدور الافعال منها كما يحكى عن بعض الاولياء قدست اسرارهم انهم يرون في وقت واحد في عدة مواضع وما ذاك الا لقوة تجرد انفسهم وغاية تقدسها فتمثل وتظهر في موضع وبدنها الاصلي في موضع آخر ؎

ہو جاتی ہیں تو کبھی اپنے بدنوں سے الگ ہو کر ان ہی بدنوں کی صورتوں یا دوسری شکلوں میں ظاہر ہو کر جبریل علیہ السلام کی طرح جیسا کہ دحیہ کلبی یا بعض اعراب کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے جس طرح صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تشریف لے جاتی ہیں اور ان کا اپنے اصلی بدنوں کے ساتھ ایک قسم کا تعلق بھی باقی رہتا ہے اور وہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے بدنوں سے ان روحوں کے کام صادر ہوتے رہتے ہیں چنانچہ بعض اولیاء قدست اسرارہم کے متعلق منقول ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر دیکھے جاتے ہیں اور یہ بات صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کی روحیں قوتِ تجرد اور انتہائے تقدس میں اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لیتی ہیں اس وجہ سے وہ روحیں متمثل ہو کر کسی جگہ ظاہر ہوتی ہیں۔ حالانکہ ان کا اصل بدن دوسرے مقام پر ہوتا ہے ؎

| | |
|---|---|
| لاتقل دارها الشرقی نجد | تم یہ نہ کہو کہ اس کا گھر شرقی جانب |
| کل نجد للعامریة دار | میں ہے، بلکہ تمام نجد عامریہ کا گھر |
| | ہے ۔ |

اس کے بعد متصلاً صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| وھذا امر مقرر عند | اور یہ امر ساداتِ صوفیہ کے نزدیک |
| السادة الصوفیة مشھور | ثابت شدہ اور ان کے درمیان مشہور |
| فیما بینھم وھو غیر طے | ہے اور وہ طے مسافت کے علاوہ |
| المسافة وانکار من ینکر | ہے اور جو شخص ان دونوں کاموں |
| کلا منھا علیھم مکابرة | (طے مسافت اور بیک وقت مقاماتِ |
| لاتصدر الا من جاھل | متعددہ میں ان کا موجود ہونا) کا منکر |
| او معاند وقد عجب | ہے اس کا انکار مکابرہ ہے جو |
| العلامة التفتازانی من | سوائے جاہل یا معاند کے کسی سے |
| بعض فقھاء اھل السنة | صادر نہیں ہو سکتا ۔ اور علامہ سعد الدین |
| ای کابن مقاتل حیث حکم | تفتازانی نے ابنِ مقاتل جیسے بعض |
| بالکفر علی معتقد ما | فقہاءِ اہلِ سنت پر سخت تعجب کا اظہار |
| روی عن ابراھیم بن ادھم | کیا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں |
| قدس سرہ انھم رأوہ | نے ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا جو |
| بالبصرة یوم التروية | ابراہیم بن ادہم قدس سرہ کے متعلق |
| ورئی ذلك الیوم بمکة | اس روایت کا معتقد ہے کہ لوگوں |
| ومبناہ زعم ان ذلك من | نے انہیں ذی الحج کی آٹھویں تاریخ |
| جنس المعجزات الکبار | کو بصرہ میں دیکھا اور وہ اسی دن |
| وھو مما لایثبت کرامة | مکہ میں بھی دیکھے گئے ۔ اور ان کے |
| لولی وانت تعلم ان المعتمد | حکم کفر کا مدار اس امر پر ہے کہ |

عندنا جواز ثبوت الكرامة
للولى مطلقا الا فيما يثبت
بالدليل عدم امكانه
كالاتيان بسورة من احدىٰ
سورة القرآن وقد اثبت
غير واحد تمثل النفس
وتطورها لنبينا صلى الله
تعالىٰ عليه وسلم بعد
الوفاة وادعى انه عليه
الصلوٰة والسلام قد يرى
فى عدة مواضع فى وقت
واحد مع كونه فى قبره
الشريف يصلى وقد تقدم
الكلام مستوفى فى ذلك
وصح انه صلى الله عليه
وسلم رأى موسىٰ عليه
السلام يصلى فى قبره
عند الكثيب الاحمر
رآه فى السماء وجرى
بينهما جرى فى امر
الصلوات المفروضة و
كونه عليه السلام عرج
الى السماء بجسده الذى

انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ ایک وقت
میں متعدد مقامات پر موجود ہونا انبیاء
علیہم السلام کے بڑے معجزات میں
سے ہے اور یہ ان امور میں سے
ہے جو ولی کے لئے بطور کرامت
ثابت نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ تو جانتا
ہے کہ ہم اہلِ سنت کے نزدیک معتبر
مسلک یہ ہے کہ نبی کا معجزہ ولی کے
لئے بطور کرامت ثابت ہو سکتا ہے
خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، سوائے اس
معجزہ کے جس کا صدور ولی کے حق
میں بطور کرامت ناممکن ہو دلیل شرعی
سے ثابت ہو جائے جس طرح قرآنِ
مجید کی سورتوں میں سے کسی سورت
کی مثل لے آنا (اس کے سوا باقی تمام
معجزات خواہ وہ کیسے ہی عظیم الشان
ہوں اولیاء اللہ کے لئے بطور کرامت
ان کا صدور و ظہور ہو سکتا ہے) اور
بکثرت علماء محققین نے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے لئے وفات شریف کے
بعد آپ کی روحِ اقدس کے متمثل
ہو کر ظہور فرمانے کو ثابت کیا ہے اور
یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

كان فی القبر بعد ان رآه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مما لم یقله احد جزما والقول به احتمال بعید وقد رای صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلة اسری به جماعة من الانبیاء غیر موسیٰ علیہ السلام فی السموات مع ان قبورهم فی الارض ولم یقل احد انهم نقلوا منها الیها علی قیاس ما سمعت آنفا ولیس ذلك مما ادی الحکمیون استحالة من شغل النفس الواحدة اکثر من بدن واحد بل هو امر وراءه کما لا یخفی من نور اللہ تعالیٰ بصیرته انتہیٰ ۔

(روح المعانی پ۲۳ ص۱۳ مطبوعہ مصر)

بسا اوقات ایک ہی وقت میں بہت سی جگہوں میں دیکھے جاتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں اور اس مسئلہ میں اس سے پہلے نہایت تفصیل سے کلام گزر چکا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ رنگ کے ٹیلے کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر شریف میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آسمان میں بھی دیکھا۔ اور سب جانتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کیا گفتگو ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا اپنے اسی جسم کے ساتھ جو قبر شریف میں تھا آسمانوں پر لے جایا جانا یقیناً ایسی بات ہے کہ آج تک کسی نے نہیں کی اور ویسے بھی یہ قول احتمال بعید ہے (پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور انبیاء علیہم السلام کو بھی آسمانوں پر دیکھا باوجود اس کے کہ ان

کی قبورِ مقدسہ زمین میں ہیں اور یہ بات بھی آج تک کسی نے نہیں کہی کہ وہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے آسمانوں کی طرف منتقل کر دیئے گئے تھے جیسا کہ تم ابھی سن چکے ہو (ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے) کہ بیک وقت متعدد مقامات میں ان مقدس حضرات کا موجود ہونا اس قبیلہ سے نہیں ہے جس کے محال ہونے کا فلسفیوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ایک روح کا شغل ایک بدن سے زائد بدنوں کے ساتھ ناممکن ہے ان حضرات کا یہ کمال فلاسفہ کی محال قرار دی ہوئی صورت کے علاوہ اور اس سے بہت بلند ہے جیسا کہ یہ حقیقت ان لوگوں پر ظاہر ہے جن کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے روشن فرما دیا۔

مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے روح المعانی کی یہ عبارت فتح الملہم میں نقل کی ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اپنی قبر شریف میں رونق افروز ہونے کے بیک وقت متعدد مقامات پر دیکھے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے فتح الملہم جلد ۱ صـ۳۰۵ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور۔

دیکھئے دیوبندی علماء بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد حضور کے متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونے کے قائل ہیں۔

فیض الباری جزو اول مطبوعہ قاہرہ صـ۳۰۴ پر انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں :۔

ویمکن عندی رؤیته صلی اللہ علیہ وسلم یقظۃ لمن رزقہ اللہ سبحانہ کما نقل عن السیوطی اثنین وعشرین مرۃ وسألہ عن احادیث ثم صححہا بعد تصحیحہ صلی اللہ

اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاگتے ہوئے بیداری کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے جیسا کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو بائیس مرتبہ دیکھا ہے اور حضور صلی

علیہ وسلم۔ اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث کے متعلق

سوال کیا پھر حضور علیہ السلام کی تصحیح کے

بعد سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو صحیح کر لیا۔

اس کے بعد انور شاہ صاحب نے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور حضور کے سامنے اپنے آٹھ رفقاء کی معیت میں بخاری شریف پڑھی۔ یہ لکھ کر انور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فالرؤیۃ متحققۃ و انکارھا جھل یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھنا متحقق اور ثابت ہے اور اس کا انکار جہلِ صریح ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ اگر حضور نور ہیں تو آپ کی اولاد بھی نور ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ نور سے بشر کا پیدا ہونا ممکن نہیں، عجیب مضحکہ خیز ہے اور علم و عقل کی دنیا میں حیرت انگیز ہے۔ غور فرمائیے کہ عالم انسانی پیدائش جن اسبابِ مادیہ کے تحت ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ وہ اسباب مؤثرہ حقیقیہ ہیں یا مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ اسبابِ عادی ہیں اور مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے جب یہ اسباب مؤثر حقیقی نہیں تو ان کے خلاف کسی امر کا وقوع جس کے ساتھ مشیتِ ایزدی متعلق ہو جائے، کیونکر محال اور ناممکن ہو جاتا ہے! کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ بشر محض سے نور اور نور سے بشر محض کو پیدا فرما دے۔ نور سے بشر کے ظہور کو محال سمجھنے والا نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے یہ کوئی بڑی بات نہیں اگر وہ چاہے تو زندہ سے مردہ اور مردہ کو زندہ سے پیدا کر سکتا ہے، وہ خود اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے، تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی۔

کذب جیسی قبیح چیز کو اللہ تعالیٰ کے لئے ممکن ثابت کرنے کے لئے آیہ کریمہ ان اللہ علی کل شیٔ قدیر سے استدلال کرنے والے غور فرمائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے موقع پر اس آیت کو حجت کیوں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیا اللہ تعالیٰ نور سے بشر محض پیدا کرنے پر قادر نہیں اور اگر قادر ہے تو امکان مسلم ہو گیا پھر اعتراض کے لئے گنجائش کہاں رہی؟

اگر اسبابِ عادیہ کے پیشِ نظر استحالہ تسلیم کر لیا جائے تو آدم علیہ السلام کا بغیر مرد و عورت

کے پیدا ہونا بھی محال ہوگا اور حضرتِ حوّا علیہا السلام کا آدم علیہ السلام سے ظہور پذیر ہونا بھی ناممکن ہوگا اسی طرح حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی ممتنع قرار پائے گا حالانکہ یہ تمام پیدائشیں حق وثابت ہیں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اسبابِ عادیہ کے خلاف جب یہ تمام پیدائشیں ممکن بلکہ واقع ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مجسم ہوتے ہوئے آپ کی اولادِ کریمہ کا جسمانی نورانیت کے بغیر پیدا ہونا کیونکر محال اور ناممکن ہو گیا؟

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد یقیناً نور کی ہے مگر وہ نور ایسا نور نہیں کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مبارک کی مثل ہو جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر کمال میں بے مثال ہیں۔ اولادِ کریمہ کی نورانیت، علم وعمل، ایمان وعرفان، رشد و ہدایت کے مرتبہ سے متجاوز ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیتِ مقدسہ کے مساوی نہیں ہو سکتی تاکہ حضور علیہ السلام کا بے مثل ہونا باطل نہ ہو، یوں کہیے کہ حضور کی اولاد نور کی ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود عینِ نور ہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

حضور کو بھوک، پیاس لگنا اور آپ کا کھانا پینا، پھر صحت وامراض کا آپ پر طاری ہونا حتیٰ کہ زخمی ہو کر خون آلود ہونا حضور کے نور ہونے کے منافی نہیں کیونکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کے ساتھ بشریتِ مطہرہ کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ذاتِ اقدس میں نورانی اوصاف بتقاضائے نورانیت پائے جاتے ہیں اور بشری صفات بتقاضائے بشریت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ نوری حقیقتوں کا بشری صورتوں میں ظاہر ہونا ایک ایسی ناقابلِ انکار حقیقت ہے جس کے ثبوت پر کتاب وسنت سے آفتاب نصف النہار سے زیادہ چمکتے ہوئے دلائل قائم ہیں فتمثل لھا بشرا سویا (سورہ مریم پارہ ۱۶) البتہ حضور کی بشریت ملائکہ کی ملکیت سے افضل واعلےٰ ہے اور برتر و بالا ہے حضور کو بشریت ملی مگر وہ بشریت جو نقائصِ بشریت سے پاک ہے۔ یوں کہیے کہ حضور کی نورانیتِ

مقدسہ کو بے عیب بشریت کا لباس پہنا کر اس عالم میں مبعوث فرمایا گیا اور یہ بشریت اس لئے نہیں دی گئی کہ ہم اسے دیکھ کر حضور کو اپنے جیسا بشر کہیں، بلکہ صرف اس لئے کہ حضور کی جامعیت میں کسی قسم کی کمی باقی نہ رہے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ذاتِ اقدس جس طرح عالمِ قدس کی نورانی اور روحانی حقیقتوں کی جامع ہے بالکل اسی طرح وہ ذاتِ پاک عالمِ شہادت کے حقائق جسمیہ و ماہیاتِ مادیہ کی جامعیت سے بھی متصف ہے۔ اگر بشریتِ مطہرہ کے ساتھ ذاتِ اقدس متصف نہ ہوتی تو انسانوں کو اپنی جسمانی زندگی کے ہر شعبہ میں رشد و ہدایت کی دولت سے کون سرفراز کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشری لباس میں تشریف لاکر انسانی زندگی کے ہر مرحلہ میں اپنی سیرتِ پاک کے وہ مقدس نمونے پیش فرمادئے جو ابدالآباد تک بطور اسوۂ حسنہ آسمانِ ہدایت پر روشن ستاروں کی طرح چمکتے رہیں گے قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بھوک، پیاس، صحت و مرض وغیرہ حالات میں سے اگر کوئی ایک حال بھی حضور پر طاری ہونے سے باقی رہ جاتا تو اسی حالت میں انسان اپنے آپ کو اسوۂ حسنہ کی نعمت سے محروم پاتا۔ حیاتِ انسانی کے وہ تمام مرحلے جن سے انسان اپنے آخری لمحاتِ حیات سے دوچار رہتا ہے، بمنزلہ ایک طویل گذرگاہ کے ہیں جس میں قدم قدم پر نشیب و فراز اور گوناگوں خطرات پائے جاتے ہیں سخت تاریکی اور ظلمت کے وقت ایسے دشوار گذار راستے کو عبور کرنا بے حد دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گذرگاہ کے ہر ہر قدم پر ہر خطرے اور نشیب و فراز کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوالِ بشریہ کے چمکتے ہوئے چراغوں کو قائم فرما کر ہر ایک گذرنے والے کے لئے اس رہگذر کو آسان فرمادیا۔ معلوم ہوا کہ حضور کے جن احوالِ بشریہ کو نورانیت کے منافی قرار دیا جاتا ہے وہ سب ہدایت کے چمکتے ہوئے چراغ ہیں جو کسی تیز ہوا کے جھونکے سے بھی نہیں بجھ سکتے اور ان پر معترض ہونا گویا اس شعر کا مصداق بننا ہے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

بھوک، پیاس وغیرہ جتنے اوصافِ بشریہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیتِ مقدسہ

کے منافی قرار دیا جاتا ہے حضرتِ عیسٰے علیہ السلام کی حیاتِ آسمانی کے عرصہ میں وہ سب حضرت عیسٰے علیہ السلام سے یقیناً منتفی ہیں لیس اگر ان کا ثبوت حضور علیہ السلام کی نورانیت کے منافی ہے تو عیسٰے علیہ السلام کے لئے ان کا انتفاء یقیناً ان کی بشریت کی نفی کی دلیل ہوگا اور اگر یہ نفی بشریتِ عیسٰے علیہ السلام کی دلیل نہیں تو وہ انتفاءِ نورانیتِ محمدی کی دلیل کیونکر قرار پا سکتا ہے ؟ فهل من مدّکر ؟

حضور کی نورانیت کے خلاف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت سے نکال کر نورانیت کی طرف لے جانا حضور کی توہین ہے اس لئے کہ نوری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادم ہے گویا حضور کو نور قرار دینا حضور کو خدام کی صف میں کھڑا کرنا ہے۔

یہ اعتراض پہلے اعتراضات سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ ہم نے حضور کو بشریت سے کب نکالا ؟ ہم تو بارہا کہہ چکے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نورانیت کے ساتھ بشریت سے بھی متصف ہیں۔

حدیث ترمذی سے جو استدلال حضور کی نورانیت پر کیا گیا ہے اس میں معترض کو یہ شبہ ہے کہ حدیث میں تو نور ہونے کی دعا مذکور ہے نہ یہ کہ حضور نور تھے۔ اور نور ہونے کی دعا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ کم از کم دعا کرتے وقت تک تو حضور نور نہ تھے۔ اگر نور ہوتے تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی ؟

اگرچہ اس شبہ کا جواب دیا جا چکا ہے لیکن اس میں اجمال تھا اس لئے تفصیل کی ضرورت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دعا کرتے وقت تک بقولِ معترض حضور نور نہ تھے تو دعا کرنے کے بعد تو حضور کی نورانیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اگر کسی نعمت کے حصول نہیں تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ ظاہری کے آخری وقت تک اپنی ہر نماز میں اھدنا الصراط المستقیم کی دعا فرماتے رہے یا نہیں ؟ بجز اثبات کے اس کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز میں بھی اھدنا الصراط المستقیم پڑھا تو کیا نعوذ باللہ آخری وقت تک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت یافتہ نہ تھے ؟ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ ! معلوم ہوا کہ جس طرح

صراطِ مستقیم پر ہوتے ہوئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اھدنا الصراط المستقیم کی دعا فرمائی بالکل اسی طرح نور ہوتے ہوئے اللّٰھم اجعلنی نورًا کی دعا فرمائی۔

آیہ کریمہ قد جاءکم من اللہ نور جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر استدلال کیا گیا ہے اس کی تفسیر میں مفسرین نے لفظِ نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے قرآن بھی تو مراد لیا ہے ایسی صورت میں یہ دعوےٰ اس آیت سے کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرینِ اہلِ سنت تو نور کی تفسیر اس آیۂ کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہی سے کرتے ہیں البتہ معتزلہ نے یہاں نور کے معنیٰ قرآن بیان کئے ہیں اگر آپ معتزلہ ہیں تو شوق سے نور کے معنیٰ قرآن کیجیے اور کسی معتزلی پر یہ حجت قائم فرمائیے۔ الحمد للہ! میں سنی ہوں۔ یہ حجتِ اعتزال اہلسنت پر قائم نہیں ہو سکتی۔

دیکھئے روح المعانی میں ہے:

(قد جاءکم من اللہ نور) عظیم وھو نور الانوار والنبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم و الی ھذا ذھب قتادۃ واختارہ الزجاج وقال ابو علی الجبائی عنی بالنور القرآن لکشفہ واظہارہ طرق الھدیٰ و الیقین واقتصر علیٰ ذلک الزمخشری۔

(پ ۶ ص ۸۶ مطبوعہ مصر)

دنیا جانتی ہے کہ ابو علی جبائی رئیس المعتزلہ اور زمخشری امام المعتزلہ ہیں۔ اللہ اللہ! ایک تو یہ لوگ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کے خلاف اپنے جذبات کے اظہار میں اس قدر متجاوز ہو گئے کہ معتزلہ کی تقلید کرتے ہوئے نور اور کتاب دونوں سے قرآن ہی مراد لے لیا مگر وہ لوگ بھی دنیا میں اپنے چمکتے ہوئے نشان چھوڑ گئے جنہوں نے نور اور کتابِ مبین دونوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ پاک کو مراد لیا ہے یقین نہ ہو تو روح المعانی کی یہ عبارت پڑھ لیجئے ولا یبعد عندی ان یراد بالنور و

الکتاب المبین النبی صلی اللہ علیہ وسلم (پ ۶)

اس عبارت سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ نور سے قرآن مراد لینا معتزلہ کا مذہب ہے، لیکن معتزلہ چونکہ اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے اس لئے ہو سکتا ہے کہ بعض حنفی کہلانے والے معتزلہ اپنے عقیدہ کے اعتبار سے فی الجملہ مستور الحال ہوں۔ اور بعض مفسرین اہلسنت نے انہیں صحیح العقیدہ حنفی سمجھ کر ان کے یہ معنیٰ نقل کر دیتے ہوں۔ بہر حال روح المعانی سے نور بمعنیٰ قرآن کے اصلی ماخذ کا بخوبی پتہ چل گیا اور اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس معنیٰ کا ماخذ و منشا رؤسا معتزلہ ہیں۔

اگر معترض یہ کہے کہ آیہ کریمہ یا ایہا النبی انا ارسلناک شاھدا کے لفظ "شاہد" اور "شہید" کے معنیٰ حاضر و ناظر کرنا صحیح نہیں بلکہ یہاں شاہد و شہید کے معنیٰ صرف گواہ ہیں اور اگر آپ کے ان معنیٰ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ہر وہ شخص جس کے لئے لفظ شاہد نصوص شرعیہ میں وارد ہوا ہے، حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ دیکھئے قرآن مجید میں ہے و شھد شاھد من اھلھا پ ۱۲ کیا یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا شاہد بھی حاضر و ناظر ہے؟ اور وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس (پ ۲) سے ثابت ہوا کہ امتِ محمدیہ کا ہر فرد و بشر حاضر و ناظر ہے۔ نیز واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء۔ کیا آپ کے نزدیک یہ تمام مرد اور عورتیں حاضر و ناظر ہیں؟ اور آیہ کریمہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ میں جن کفار کو شہداء فرمایا گیا ہے کیا وہ بھی آپ کے نزدیک حاضر و ناظر ہیں؟ لم یکن لھم شھداء الا انفسھم نیز وما شھدنا الا بما علمنا میں بھی شہداء اور "شہدنا" کے معنے وہی جو آپ "شاہدا" میں بیان کر چکے ہیں۔

نیز یہ دعوےٰ کہ حضور علیہ السلام تمام اشیاء اور امور پر شاہد ہیں اس مقام پر مفسرین اور محدثین کے کلام میں "من" وغیرہ عموم کے صیغے اپنی اصل پر نہیں بلکہ وہاں عموم سے کثرت مراد ہے اور اگر اصل پر ہونے کا دعوےٰ ہے تو دلیل قائم کیجئے۔

**تنقیح ۲** — کی ذیل میں "شاہدًا" سے استدلال کرتے ہوئے مفسرین کی عبارات نقل کی گئی ہیں جیسا کہ تفسیر ابو السعود سے نقل کیا گیا ہے کہ شاھدًا علی من ارسلت الیھم اس کے بعد صحیح مسلم کی حدیث ارسلت الی الخلق کافۃ پیش کر کے عباراتِ منقولہ کو حدیث شریف سے ملا کر یہ نتیجہ نکالا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف رسول ہیں اور جس کی طرف آپ رسول ہیں اس پر آپ شاہد ہیں لہذا ثابت ہوا کہ آپ ساری مخلوق پر شاہد ہیں، ایک زبردست مغالطہ اور سفسطہ ہے۔

یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے لیکن مفسرین کی عبارات میں یہ نہیں کہ حضور ساری مخلوق پر شاہد ہیں بلکہ ان کی عبارات میں من ارسلت الیھم اور ظاہر ہے کہ "خلق" عام ہے اور "من" خاص۔ ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ "من" ذوی العقول کے لئے مستعمل ہوتا ہے، لہذا ماننا پڑے گا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث تو ساری مخلوق کی طرف ہیں لیکن شاہد صرف ذوی العقول پر ہیں۔ آپ کی تقریب اس وقت تک تام نہیں ہو سکتی جب تک آپ یہ ثابت نہ کریں کہ "من" کے عموم میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب شامل ہو گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ان تفاسیر کے حوالے بالکل ترک کر دیئے گئے ہیں جن میں آپ کے خلاف تصریح موجود ہے۔ دیکھیے تفسیر جامع البیان میں "شاھدا" للہ بالوحدانیۃ او علی الناس باعمالھم فی القیامۃ (جامع البیان برحاشیہ جلالین مطبوعہ مجیدی کانپور ص۳۵۳)۔

**تنقیح ۳**، کے ذیل میں آپ نے بڑی کوشش اور محنت سے وہ عبارتیں پیش کی ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آنِ واحد میں متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونا اور بیک وقت اکثر حضرات کا دور دراز مقامات میں بحالتِ بیداری حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ثابت ہے لیکن آپ نے اس مرحلہ پر بھی اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ اولیاء اللہ کا بحالتِ بیداری وفاتِ نبوی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا درحقیقت اولیاء اللہ کا کشف ہے اور کشف والہام سے استدلال کرنا کسی طرح صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ مسائلِ اعتقادیہ ہمیشہ کتاب و سنت سے ثابت ہوا کرتے ہیں نہ کشف والہام سے، اس لئے آپ کی یہ تمام محنت بے فائدہ رہی۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے اجسادِ مثالیہ کا ثابت کرنا آپ کے اپنے عقیدے کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ اجسادِ مثالیہ حضور کی مثل ہوں گے اور آپ حضور کو بے مثل مانتے ہیں۔ اس تقدیر پر حضور کے لئے امثالِ کثیرہ کا اثبات لازم آئے گا اور آپ کے عقیدہ کے مطابق حضور بے مثل نہ رہیں گے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یقظۃً تشریف فرما ہونا اور مواقعِ متعددہ میں تشریف لانا وفات شریف کے بعد ممکن ہوتا تو اہم ترین مواقع اور شدید اختلافاتِ امت کے وقت ظاہر ہوتے اور امتِ مرحومہ کی رہنمائی فرماتے لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ صحابہ کرام کے زمانے میں کثیر و شدید اختلافات ہوئے حتیٰ کہ زبردست خونریزی ہوئی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر ہو کر اس کا انسداد نہ فرمایا۔ اسی طرح مسائلِ شرعیہ میں بکثرت علماءِ امت حضرات مجتہدین کرام کے اختلافات ہوئے لیکن کسی موقعہ پر بھی حضور علیہ السلام نے تشریف لاکر اظہارِ حق نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ یہ سب من گھڑت افسانے ہیں جن کی کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں۔

آپ نے شاہ عبد الحق صاحب کا ایک قول ان کے مکتوبات سے حاضر و ناظر کے ثبوت میں نقل کیا ہے۔ اس کے جواب میں اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ حاضر و ناظر کے مسئلہ میں شاہ عبد الحق صاحب نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ امتِ محمدیہ میں ایک شخص کو بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں، مشاہدہ کے خلاف ہے، پھر یہ کہ انہوں نے صرف اعمالِ امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کہا ہے اور آپ ہر ذرۂ کائنات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں آپ کے دعوے پر ان کا قول کہاں منطبق ہوتا ہے؟

ہر ذرہ کائنات میں حقیقتِ محمدیہ کو جاری و ساری ماننا حضور علیہ السلام کی شدید توہین ہے، سب جانتے ہیں کہ ذواتِ کائنات میں ناپاک اور خبیث اشیاء بھی شامل ہیں اور شرم و حیاء کے مواقع بھی اس کے عموم میں داخل ہیں تو کیا پیشاب، پاخانہ، کتا، بلی وغیرہ ناپاک حرام اور خبیث اشیاء ہیں۔ اور اسی طرح شیاطین کفار و منافقین اور طبقاتِ جہنم کے اندر بھی حضور کے نور کی شعاعیں پائی جاتی ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آپ نے اپنے دعوے کو خود ہی باطل قرار دے دیا۔ اور اگر اثبات میں ہے تو اس سے بڑھ کر حضور کی کیا توہین ہوگی کہ ہر خبیث و قبیح اور نجس و ناپاک چیز میں حضور کی حقیقتِ مبارکہ کے جلوؤں کو تسلیم کیا جائے؟ العیاذ باللہ!

نیز حضور علیہ السلام کو حاضر و ناظر جاننے کی تقدیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے نزدیک موجود ہوں گے۔ ایسی صورت میں کسی شخص کو بلند آواز سے کلام کرنا کسی وقت بھی جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالٰی قرآنِ پاک میں فرماتا ہے ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اور ولا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ان آیات کے ہوتے ہوئے اونچی آواز سے بولنا کسی مسلمان کے لئے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا لہٰذا عند الضرورت اونچی آواز سے بولنے والے یا تو حضور کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتے یا جان بوجھ کر حکمِ خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں۔

مزید برآں کئی آیاتِ قرآنیہ حضور کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی کرتی ہیں۔ دیکھیے اللہ تعالٰی فرماتا ہے وما کنت ثاویا فی اھل مدین تتلوا علیھم ایاتنا (قصص) "اور نہ تھے آپ نازل اہلِ مدین میں کہ ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے"۔ اسی طرح اللہ تعالٰی فرماتا ہے:۔

وما کنت بجانب الطور اذ نادینا (سورۂ قصص)

"اور نہیں تھے آپ طور کی جانب میں جب ہم نے آواز دی"

اور سنئے ارشاد ہوتا ہے:۔

وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم (آلِ عمران)

"اور نہ تھے آپ ان کے قریب جب وہ ڈالتے تھے اپنی قلموں کو"

ان تمام آیتوں سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں ورنہ ان مواقع اور مقامات پر حضور کا موجود نہ ہونا کیا معنے رکھتا ہے؟ اس مضمون کی بکثرت آیات قرآنِ پاک میں موجود ہیں۔

اب احادیث کی طرف آیئے تو ایک حدیثِ معراج ہی حاضر و ناظر کے مسئلہ کا قلع قمع کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ شبِ معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے بیت المقدس کی طرف چلے تو مکہ میں حضور نہ رہے۔ پھر جب مسجدِ اقصٰی سے پہلے آسمان پر پہنچے تو مسجدِ اقصٰی حضور سے خالی ہو گئی اور دوسرے آسمان پر پہنچے تو پہلے پر آپ نہ رہے۔ اسی طرح

ساتوں آسمانوں کی طرف چلے جایئے۔ پھر جب حضور وہاں سے واپس آئے تو سماوات حضور کے وجود سے خالی ہو گئے۔ اگر حاضر و ناظر کا مسئلہ حق ہو تو معراج باطل ہوتی ہے کیونکہ جانے اور آنے کے معنٰی یہ ہیں کہ جانے سے پہلے جانے والا اس مقام پر موجود نہیں جہاں جانا چاہتا ہے اور آنے کے بعد اس جگہ نہیں رہا جہاں سے آیا ہے اس لئے حاضر و ناظر کے عقیدے کے ساتھ معراج کا عقیدہ جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ معراج کے قائل ہیں تو حاضر و ناظر کا انکار کیجئے۔ اور اگر حاضر و ناظر کو صحیح مانتے ہیں تو عقیدۂ معراج سے دستبرداری کا اعلان فرمایئے۔

یہ اعتراض کہ اگر "شاہدًا" کے معنٰی حاضر و ناظر ہیں تو قرآن و حدیث میں جس جس کے متعلق شاہد و شہید کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ ان سب کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ شاہد و شہید کے معنٰی تو حاضر و ناظر ہی کے ہیں جیسا کہ مفردات امام راغب اصفہانی کی مفصل عبارات پیش کی جا چکی ہے لیکن معترض نے اس بات پر بالکل غور نہیں کیا کہ ہر شاہد و شہید اسی چیز پر حاضر و ناظر ہو گا جس پر وہ شاہد و شہید ہے اگر کوئی شخص آپ کے کسی معاملہ کا گواہ ہے۔ تو اس کا حاضر و ناظر ہونا اسی واقعہ کے ساتھ خاص ہے نہ یہ کہ وہ تمام واقعاتِ عالم پر حاضر و ناظر ہے۔ آپ نے جو آیتیں معارضے میں پیش کی ہیں۔ ان میں کوئی شاہد و شہید بھی ایسا مذکور نہیں جس کی شہادت تمام عالم پر منصوص ہو بخلاف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ حضور علیہ السلام شاھدا علٰی من ارسلت الیھم ہیں یعنی جس کی طرف آپ رسول ہیں اس پر شاہد بھی ہیں اور مسلم شریف کی حدیث میں پیش کر چکا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ارسلت الی الخلق کافۃ اگر شاھدا علی من ارسلت الیھم اور ارسلت الی الخلق کافۃ دونوں کو ملا کر نتیجہ نکالیں تو بڑی آسانی سے سمجھ لیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاھدًا علی الخلق کافۃ ہیں۔ یعنی تمام مخلوق پر شاہد ہیں۔ اب سوچئے کہ یہ معارضہ کہاں تک صحیح ہے؟

لفظِ "من" کے متعلق جو اعتراض کیا گیا اس کے جواب سے پہلے اس شبہ کا ازالہ ضروری ہے کہ قرآنِ کریم میں امتِ محمدیہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو مخاطب فرما کر یہ ارشاد

فرمایا گیا ہے لتکونوا شھداء علی الناس" ہم نے تم کو امتِ عادل اس لئے بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ" "الناس" اسمِ جنس ہے لہذا حضور کی امت کا تمام لوگوں پر شہید ہونا ثابت ہوا اس لئے ماننا پڑے گا کہ جب وہ تمام لوگوں پر شہید ہیں تو وہ ان سب پر حاضر و ناظر بھی ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی لفظ کے مرادی معنٰی ہر مقام پر ایک ہی ہوں بلکہ اصول یہ ہے کہ جس مقام پر بھی کسی لفظ کے معنٰی متعین کئے جائیں تو پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اس مقام میں ان معنٰی کی تعیین کسی دلیل کے خلاف تو نہیں اگر کوئی دلیل اس کے خلاف پر قائم نہ ہو تو وہ معنٰی یقیناً حق ہوں گے اور اگر اس معنٰے کے خلاف پر کوئی دلیل قائم ہو تو ان کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں۔

بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ اعتراض بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ مرزائی حضرتِ عیسٰے علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کے لئے قرآنِ مجید کی وہ تمام آیتیں پڑھ دیتے ہیں جن میں لفظِ "توفّی" بمعنٰی موت وارد ہے اور اس امر کو قطعاً نظر انداز کر دیتے ہیں کہ آیہ کریمہ فلما توفیتنی میں توفّی بمعنٰے موت مراد لینے کے خلاف کتاب و سنت کے بے شمار دلائل قائم ہیں۔

معترض اس امر پر غور کرے کہ جس طرح قرآنِ مجید کی متعدد آیات میں "توفّے" بمعنٰے موت مستعمل ہے لیکن ہم ان استعمالات کو فلما توفیتنی میں "توفّی" بمعنٰی موت ہرگز بطورِ نظیر پیش نہیں کر سکتے، بالکل اسی طرح "شھداء علی الناس" کے مرادی معنٰی کو شاہداً کے مقابلہ میں بطورِ نظیر نہیں لا سکتے۔

اس اجمال کی تفصیل کے لئے گزارش ہے کہ شاہد اور شہود کے معنٰی تو حاضر ہونا اور دیکھنا ہی ہیں لیکن محاورات اور مقامات کے اختلاف سے حاضر و ناظر ہونے کی نوعیت میں ضرور تبدیلی ہو جاتی ہے اور اس تبدیلئ نوعیت کی وجہ سے حاضر و ناظر کا مفہوم باقی رہتے ہوئے لفظ شہادت اور شاہد و شہید کے معانی کثیرہ ہو گئے۔ باوجود ان کثرتِ معانی کے حقیقی معنٰی کسی نہ کسی رنگ میں ہر استعمال میں موجود ہیں۔ بطور نمونہ چند معانی مفرداتِ راغب، مجمع بحار الانوار،

منجد، مختار الصحاح وغیرہ کتبِ معتبرہ متداولہ سے نقل کرتا ہوں :-

## شہادت :

۱۔ ظاہری یا باطنی آنکھ کے ساتھ دیکھتے ہوئے حاضر ہونا (شہود کے معنیٰ بھی یہی ہیں)

۲۔ عالمِ موجوداتِ ظاہری۔

۳۔ خدا کی راہ میں جان دینا۔

۴۔ قسم۔

۵۔ یقینی خبر۔

## شاہد : ظاہری یا باطنی آنکھ کے ساتھ دیکھ کر حاضر ہونے والا۔

۶۔ زبان

۷۔ ستارہ

۸۔ املاک الامر (کسی شئے کا دار و مدار)

## شہید : ظاہری یا باطنی آنکھ کے ساتھ دیکھتے ہوئے حاضر ہونے والا۔

۹۔ اپنی شہادت میں امانت داری سے کام لینے والا۔

۱۰۔ وہ ذات جس کے علم سے کوئی شئے غائب نہ ہو، اور اللہ کی راہ میں جان دینے والا۔

اگر آپ ان معانی کو مختلف محاورات اور مقاماتِ استعمال میں بغور ملاحظہ فرمائیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ شہادت اور شہود کے حقیقی معنیٰ الحضور مع المشاھدۃ کا اعتبار ہر محاورے اور محل استعمال الفاظ میں پایا جاتا ہے البتہ حیثیات مختلف ضرور ہونگی جو کسی حال میں ہمارے دعویٰ کے لئے مضر نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد و شہید کے الفاظ جو قرآنِ مجید میں ارشاد ہوئے ہیں انکے معنیٰ وہی ہیں جو دلائل کے ساتھ بیان کئے جا چکے ہیں۔ وہ تمام دلائل میرے مرادی معنیٰ کے ثبوت کے لئے کافی و وافی ہیں چنانچہ ان کا اجمالی تذکرہ پھر کئے دیتا ہوں کہ :-

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصلِ کائنات اور اول مخلوقات ہیں اول ما خلق اللہ نوری (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۲) اور حدیثِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے (مواہب اللدنیہ جلد ۱ ص۹)

۲۔ پھر یہ کہ اشعۃ اللمعات اور دیگر کتب معتبرہ سے نقل کر چکا ہوں کہ حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ذواتِ عالم میں جاری وساری ہے۔

۳۔ علاوہ ازیں حضور سیدِ عالم کا خواب میں زیارت کرنے والے مومنین کے لئے بیداری میں جمالِ جہاں آرا کے دیدار سے مشرف ہونے کا وعدہ متفق علیہ حدیث میں وارد ہے اور نقولِ کثیرہ سے اولیاء و عرفاء کے لئے اس کا وقوع بھی ثابت ہے اور بعد الوفاۃ امکنہ متعددہ میں تشریف فرما ہو کر امت کی رہنمائی و دستگیری فرمانا بھی ثابت ہے۔

۴۔ اس کے بعد دنیا و مافیہا کو کفِ دست کی طرح دیکھنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حدیثِ صحیح میں وارد ہے جیسا کہ کنز العمال جلد ص میں ہے۔ ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ھو کائن کانما انظر الی کفی ھٰذا الی یوم القیامۃ۔

۵۔ اور ویکون الرسول علیکم شہیدا کی تفسیر میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر فتح العزیز ص ۵۱۸ کی یہ مشہور عبارت بھی آپ کے سامنے ہے یعنی: "و باشد رسولِ شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر مرتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دینِ من رسیدہ و حقیقتِ ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہانِ شمارا و درجاتِ ایمانِ شمارا و اعمالِ نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاقِ شمارا۔"

۶۔ یا ایہا النبی انا ارسلنٰک شاھدًا کی تفسیر میں مفسرین کی تصریحات پیش کر چکا ہوں کہ حضور کا شاہد ہونا ان تمام مخلوقات پر ہے جن کی طرف حضور رسول بن کر مبعوث ہوئے ہیں علیٰ من ارسلت الیہم جیسی عبارات کثیرہ تفاسیر معتبرہ سے نقل کر چکا ہوں۔ یہ تمام دلائل ایک منصف مزاج کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا عام ہے۔ اگر اسی قسم کے دلائل حضور کی امت کے حق میں آپ قائم کر دیں تو میں تسلیم کر لوں گا کہ شہداء علی الناس اور آپ کی باقی پیش کردہ تمام آیات جن میں لفظِ شاہد و شہید وارد ہے۔ ان سب کے

وہی معنیٰ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وارد شدہ شاہد و شہید کے مرادی معنیٰ ہیں جب تک غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آپ اسی قسم کے دلائل قائم نہ کریں اس وقت تک آپ کا معارضہ تمام نہیں ہو سکتا۔

تمام تفاسیرِ معتبرہ میں اس مضمون کی تصریح موجود ہے کہ "شہداء علی الناس" کے یہ معنیٰ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے عادل لوگ قیامت کے دن پچھلی امتوں پر اس امر کی گواہی دیں گے کہ انبیاء علیہم السلام نے ان تمام احکاماتِ الٰہیہ کی تبلیغ فرما دی۔ وہ امتیں اعتراض کریں گی کہ یہ ہمارے زمانے میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے حاضر و ناظر نہ تھے تو ان کو ہمارے خلاف گواہی دینے کا کیا حق ہے؟ اس اعتراض کے جواب میں امتِ محمدیہ یہ نہ کہے گی کہ شہید کے معنیٰ حاضر و ناظر نہیں بلکہ ان کے اس اعتراض کا یہ جواب دے گی کہ تبلیغ انبیاء علیہم السلام کا یقینی علم ہی ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوا ہے جو ہمارے مشاہدہ سے زیادہ یقینی ہے اس لئے ہم گواہی کے اہل ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کی امت پر شاہد بنائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کا تزکیہ فرماتے ہوئے ان کے تمام افعال و اعمال، ایمان و اعتقادیات ظواہر و بواطن کی گواہی دیں گے۔

جب مفسرین نے حضور کے شہید ہونے اور امت کے شہید ہونے کے ایک معنیٰ مراد نہیں لئے بلکہ دونوں معنیٰ کی جداگانہ تفسیر فرما دی تو کسی اور کو کیا حق حاصل ہے کہ تصریحات مفسرین کے خلاف دونوں کی شہادت کو یکساں قرار دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضور مع المشاہدہ بلا تاویل ہے اور حضور کی امت کا حضور مع المشاہدہ بتاویل علم یقینی ہے اور یہ تاویل ایسی نہیں جو میں نے بلا دلیل پیش کی ہو بلکہ مفسرین کی تصریحات کے حوالہ سے عرض کی ہے۔

اس تمام گفتگو کے بعد میں عرض کروں گا کہ اگر معترض کے معارضہ کے جواب میں یہ گزارش کروں کہ حضور مع المشاہدہ کا جو کمال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کتاب وسنت کی روشنی میں ثابت ہو چکا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کاملین میں علیٰ سبیل التبعیۃ اس کمال کا پایا جانا کمالِ محمدی کی دلیل ہوگی جو میرے دعوے کی مزید مؤید قرار پائے گی۔ معارضہ

تو اس وقت موجب کہ میرے دعوے کے خلاف کوئی چیز مجھ پر لازم آئے۔ جب کاملین کا یہ کمال کمالِ مصطفوی کی دلیل بلکہ عین کمالِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) قرار پایا تو میرا یہ دعویٰ اور بھی مستحکم ہو گیا اور اس چیز کو معارضہ قرار دینا انتہائے تسامح یا کمالِ قلتِ تدبّر کی روشن دلیل ہوگا۔

میرے اس قول کی تائید میں مسلّم بین الفریقین علماء کی بہت سی چمکتی ہوئی عبارتیں موجود ہیں جن میں سے چند مختصر نقول پیشِ خدمت کرتا ہوں ملاحظہ فرمایئے :۔

روح البیان جلد ا صـ۹۹ :

قال الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ والرسول لہ الخیار فی طواف العالم مع ارواح الصحابۃ رضی اللہ عنہم لقد راٰہ کثیر من الاولیاء

اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صـ۱۵ پر حضرتِ غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول منقول ہے :

بعزتِ پروردگار کہ نیک بختاں و بدبختاں ہمہ عرض کردہ می شوند بر من ونظرِ من در لوحِ محفوظ است منم غوّاص دریائے علم ومشاہدۂ الٰہی من حجتِ خداوندم بر تمامۂ شما و نائبِ رسول اللہ و وارثِ اویم " انتہیٰ

کبریتِ احمر صـ۱۶۵ :

واما شیخنا سیدی علی الخواص فسمعتہ یقول لایکمل الرجل عندنا حتی یعلم حرکات مریدہ فی انتقالہ فی الاصلاب و ھو نطفۃ من یوم الست بربکم الیٰ استقرارہ فی الجنۃ او النار واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے علاوہ اولیاءِ کاملین کے بیک وقت امکنہ متعددہ میں موجود ہونے اور تصرف کرنے پر بعض عبارات منقول ہو چکی ہیں ان سب کا مفاد یہ ہے کہ کاملینِ امت کا آنِ واحد میں امکنہ متعددہ میں موجود ہو جانا اور ذراتِ کائنات کو دیکھ لینا اور اکوانِ عالم کا مشاہدہ فرمانا ایک ایسا کمال ہے جو حضو

صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ان حضرات کو حاصل ہے اور درحقیقت یہ کمال حضور ہی کا ہے جو ان حضرات کے آئینۂ قلوب میں ظاہر ہوا۔ بنا بریں معارضۂ مذکورہ معارضہ ہی نہیں جس کے جواب کی طرف توجہ کی جائے۔

نیز یہ اعتراض کہ مفسرین کے کلام میں تحت آیہ کریمہ شاھداً علیٰ من ارسلت الیھم میں اپنی اصل پر نہیں بلکہ عام مخصوص البعض ہے اور اگر اس کے اصل پر ہونے کا دعویٰ ہے تو اس پر دلیل قائم کیجئے۔

سبحان اللہ! اعتراض کتنا معقول ہے کہ اصل کو ثابت کرنے کے لئے دلیل قائم کی جائے اور مخالف خلافِ اصل قول کرنے کے باوجود اقامتِ دلیل سے بے نیاز رہے عجیب فلسفہ ہے۔ یاد رہے کہ کسی لفظ کے اصل پر ہونے کا دعویٰ محتاجِ دلیل نہیں ہوا کرتا البتہ عدول عن الاصل کے لئے دلیل کی حاجت ہوا کرتی ہے اس لئے اقامتِ برہان معترض کے ذمہ ہے، دیکھئے اصولیین تصریح فرماتے ہیں:

من وما یحتملان العموم والخصوص و اصلھما العموم یعنی انھا فی اصل الوضع للعموم و یستعملان فی الخصوص بعارض القرائن۔

(نور الانوار ص۹۱)

اور جب خصوص کا کوئی قرینہ نہیں تو اصل عموم ہی برقرار رہا۔

یہ کہنا کہ آیہ کریمہ یاایھا النبی انا ارسلناک شاھداً سے اس وقت تک تقریب تام نہیں ہو سکتی جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ "من" ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کے لئے عام ہے کیونکہ حضور شاہد ہیں من ارسلت الیھم اور "من" ذوی العقول کے لئے ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور صرف ذوی العقول پر شاہد ہیں اور مبعوث تمام مخلوق کی طرف ہیں جن میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب شامل ہیں!

اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی "من" ذوی العقول کے لئے ہے اور صرف غیر ذوی العقول میں اس کا استعمال نہیں ہوتا لیکن جس وقت غیر ذوی العقول میں ذوی العقول بھی شامل ہوں

تو اس وقت بشمولِ عقلاء اس کا اطلاق غیر ذوی العقول پر بھی ہوا کرتا ہے۔

مفرداتِ امام راغب اصفہانی میں ہے ص۴۹۲:

ومن عبارۃ عن الناطقین ولا یعبر بہ عن غیر الناطقین الا اذا جمع بینھم وبین غیرھم

قرآنِ کریم میں دو آیتیں ایسی موجود ہیں جن میں کلمہ "من" عقلاء اور غیر عقلاء سب کو شامل ہے ملاحظہ فرمائیں:

۱- ولہ اسلم من فی السمٰوات والارض

۲- وللہ یسجد من فی السمٰوات والارض

کیا عقلاء اور غیر عقلاء میں کوئی ایسا فرد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے (اختیاری یا غیر اختیاری طور پر) نہ جھکا ہو یا اس کے لئے سجدہ ریز نہ ہوا ہو؟

تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۳۳۷ مطبوعہ مصر میں تحت آیہ کریمہ ولہ اسلم من فی السمٰوات والارض مرقوم ہے:

فھٰذہ الاٰیۃ تفید ان واجب الوجود واحد وان کل ما سواہ فانہ لا یوجد الا بتکوینہ ولا یغنی الا بافناءہ سواء کان عقلاً او نفساً او روحاً او جسماً او جوھراً او عرضاً او فاعلاً او فعلاً و نظیر ھٰذہ الاٰیۃ فی الدلالۃ علیٰ ھذا المعنیٰ قولہ تعالیٰ وللہ یسجد من فی السمٰوات والارض۔

جس طرح امام فخر الدین رازی نے ان دونوں آیتوں میں کلمہ من عقلاء و غیر عقلاء کے لئے عام رکھا ہے اسی طرح من ارسلت الیھم میں کلمہ "من" عقلاء و غیر عقلاء سب کو شامل ہے اور ارسلت الی الخلق کافۃ میں جتنے افراد ہیں من ارسلت ان سب کو حاوی ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جس طرف آپ مبعوث ہیں اس پر آپ شاہد بھی ضرور ہیں اور حضور

کی بعثت کل مخلوق کی طرف ہے لہٰذا وہ حاضر و ناظر بھی کل مخلوق پر ہیں۔

جامع البیان کی عبارت کو ہمارے دعوے کے خلاف قرار دینا بھی غلط ہے کیونکہ صاحب جامع البیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بالوحدانیۃ یا شاہد علیٰ احوال الناس قرار دے کر ادعائے حصر کہاں فرمایا ہے اور کس لفظ سے ماسوا مذکور کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ جب نبی علیہ السلام ہر چیز پر شاہد ہیں تو احوال الناس حضور کی شہادت سے کب مستثنیٰ رہ سکتے ہیں بلکہ اس حساب سے تو حضور کی شاہدیت کی تعمیم ظاہر ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ پہلی عبارات میں تو حضور کا تمام مخلوق پر شاہد ہونا ثابت ہوا تھا یہاں اللہ کی وحدانیت پر بھی حضور کی شاہدیت ثابت ہو گئی۔ اب آپ ہی بتائیں کہ عبارت سے معترض کو کیا فائدہ پہنچا۔

رہا یہ اعتراض کہ عقائد کتاب و سنت سے ثابت ہوتے ہیں نہ کشف و الہام سے، اس سے جواب میں گزارش ہے کہ اولیاء اللہ کے کشف و الہام کو مطلقاً نظر انداز کر دینا کسی طرح جائز نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ کشف و الہام سے آیاتِ محکمات و دلائل قطعیہ کی طرح علم یقینی حاصل نہیں ہوتا لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ کشف و الہام دلیلِ ظنی بھی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے :

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله۔

(ترمذی جلد۲ سورۃ الحجر کتاب التفسیر ص ۱۴۰)

صاحبِ نبراس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :

وضع بعض المحدثين و الحق انه صحيح۔

(نبراس ص۱۰ مطبوعہ خضر مجتبائی ملتان)

یہی صاحبِ نبراس اسبابِ علم کے حصر پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں : و ثالثا بان الفراسة ظنية وكلامنا في اليقين معلوم ہوا کہ کشف و الہام دلائلِ ظنیہ میں سے ہیں۔ اگر دلائلِ ظنیہ کو آپ مسائلِ ظنیہ میں حجت نہیں مانیں گے تو قیاساتِ مجتہدین بلکہ اخبارِ آحاد کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا جو اہلِ علم کے نزدیک صحیح نہیں، حاضر و ناظر کا مسئلہ قطعیات سے نہیں بلکہ بابِ فضائل سے متعلق ہے اس لئے اس کے ثبوت میں دلائلِ ظنیہ قابلِ احتجاج ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کہ میں نے صرف وہ نقول ہی پیش نہیں کی تھیں بلکہ میرا اصل

استدلال کتاب و سنت ہی سے ہے جس کی تائید میں عباراتِ منقولہ پیش کی گئی ہیں لہٰذا یہ اعتراض بھی بے بنیاد ہے۔

نیز یہ اعتراض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجسادِ مثالیہ ثابت کرنا حضور کی بے مثلی کا انکار کرنا ہے کیونکہ اجسادِ مثالیہ کو تسلیم کرنے سے لاتعد ولاتحصیٰ امثال حضور کے لئے ماننا پڑیں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ مثل کے لئے مغایرت شرط ہے جو چیز کسی کی مثل ہو ضروری ہے کہ وہ اس چیز کا غیر بھی ہو لیکن اجسادِ مثالیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر نہیں اس لئے ان کو مثل کہنا بھی غلط ہے۔

اگر یہ مسئلہ اس طرح نہ سمجھا جا سکے تو یوں سمجھ لیجئے کہ قرآنِ مجید کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ وہ بے مثل کتاب ہے۔ قرآنِ کریم نے علی الاعلان فرمایا کہ فأتوا بسورة من مثله اب اگر کوئی منکرِ قرآن آپ سے کہے کہ آپ کوئی سورت پڑھئے میں اس کا مثل پیش کرتا ہوں۔ آپ نے سورۂ کوثر پڑھی اور اس نے بھی آپ کے سامنے اسی سورہ کو پڑھ دیا اور دعویٰ کیا کہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ آپ کی قرارت کے بعد پڑھا ہے۔ اگر پڑھی ہوئی سورۃ بعینہٖ وہی ہے جو آپ نے پڑھی تھی تو لازم آتا ہے کہ ایک شئے اپنی ذات سے مؤخر ہو جائے اور یہ محال ہے لہٰذا آپ کو ماننا پڑے گا کہ میں نے جو سورت پڑھی وہ آپ کی پڑھی ہوئی سورت نہیں تو کیا آپ اس کے معارضہ کو صحیح تسلیم کر لیں گے؟ نہیں اور یقیناً نہیں! پس جس طرح قرآنِ کریم کی ایک سورت لاتعد ولاتحصیٰ قراءتوں میں ظاہر ہونے سے ایک دوسرے کی غیر اور اس کی مثل قرار نہیں پا سکتی۔ اسی طرح متعدد اور بیشمار اجسادِ مثالیہ میں ذاتِ پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور فرمانے سے کوئی جسدِ مثالی آپ کا غیر نہیں ہو سکتا اور قرآنِ کریم متعدد صحیفوں کی شکل میں پایا جاتا ہے لیکن پھر وہ ایک ہی ہے یہ نہیں کہ وہ متعدد قرآنِ کریم آپس میں ایک دوسرے کا غیر قرار پا کر سب قرآن منزل من اللہ کے امثال ہو جائیں اور اس طرح قرآن کی بے مثلی کا دعویٰ نعوذ باللہ باطل ہو جائے بلکہ وہ تمام قرآنِ مجید خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں عین قرآن منزل من اللہ ہیں اور ان کو کثیر یا متعدد کہنا محض ظاہر کے اعتبار سے ہے حقیقتاً قرآن ایک ہے بالکل اسی طرح کثیر اجسادِ مثالیہ ذاتِ پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے امثال و نظائر نہیں۔

اور یہ اعتراض کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد الوفاۃ بیداری میں نظر آنا اور امکنہ متعددہ میں بیک وقت تشریف فرما ہونا ممکن ہے تو کیا یہ تشریف آوری اختلافاتِ امت کے موقع پر نہ ہوتی خصوصًا صحابہ کرام کے زمانہ میں جو شدید اختلافات ہوئے۔ پھر ائمہ مجتہدین کے مابین مسائلِ فقہ میں اختلاف رہا۔ اس کے علاوہ بکثرت مواقع ایسے ظاہر ہوئے جن میں تشریف آوری اور امت کی راہنمائی اشد ضروری تھی لیکن عہدِ صحابہ وغیرہ میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقظۃً ظاہر نہ ہوئے لہذا یہ سب صوفیوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

بجائے اس کے کہ اس اعتراض کا جواب میں اپنے لفظوں میں دوں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ اعتراض اور اس کا جواب تفسیر روح المعانی سے نقل کر دوں تاکہ زیادہ رد و قدح کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ سنئے روح المعانی پارہ ۲۲ ص۳۷ مطبوعہ مصر میں ہے :

والحاصل انه لم يبلغنا ظهوره عليه الصلوٰة والسلام لاحد من اصحابه واهل بيته وهم مع احتياجهم الشديد لذلك وظهوره عند باب مسجد قبا كما يحكيه بعض الشيعة افتراء محض وبهت بحت وبالجملة عدم ظهوره لاولئك الكرام وظهوره لمن بعدهم مما يحتاج الى توجيه يقنع به ذوو الافهام ولا يحسن منى ان اقول كل ما يحكى عن الصوفية من ذٰلك كذب لا اصل له الكثرة حاكية وجلالة مدعيه وكذا لا يحسن منى ان اقول انهم انما رأوا النبى صلى الله عليه وسلم مناما فظنوا ذٰلك لخفة النوم وقلة وقت يقظة فقالوا رأينا يقظة لما فيه من البعد ولعل فى كلامهم ما يأباه وغاية ما اقول ان تلك الرؤية عن خوارق العادة كسائر كرامات الاولياء

ومعجزات الانبياء عليهم السلام وكانت الخوارق
فی الصدر الاول لقرب العهد بشمس الرسالة قليلة
جدا وانی يری النجم تحت الشعاع او يظهر
كوكبا وقد انتشر ضوء الشمس والبقاع فيمكن
ان يكون قد وقع ذلك لبعضهم علی سبيل الندرة
ولم تقتض المصلحة افشاءه ويمكن ان يقال انه
لم يقع لحكمة الابتلاء او لخوف الفتنة او لان فی
القوم من هو كالمرآة له صلی الله عليه وسلم
او ليهرع الناس الی كتاب الله تعالی وسنته صلی
الله عليه وسلم فيما يهمهم فيتسع باب
الاجتهاد وتنتشر الشريعة وتعظم الحجة
التی يمكن ان يعقلها كل احد او لنحو ذلك
وربما يدعی انه عليه الصلوٰة والسلام
ظهر ولكن كان مستترا فی ظهوره كما روی
ان بعض الصحابة احب ان يری رسول الله صلی
الله تعالی عليه وسلم فجاء الی ميمونة
رضی الله عنها فاخرجت له مرأته فنظر فيها
فرأی صورة رسول الله عليه الصلوٰة والسلام
ولم يری صورة نفسه فهذا كالظهور
الذی يدعيه الصوفية الا انه بحجاب
المرأة وليس من باب التخييل اھ

اور سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں آج تک کسی صحابی اور کسی اہلبیت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور فرمانے کی خبر نہیں پہنچی حالانکہ وہ اہلِ بیت اور صحابہ تھے اور انہیں حضور کے ظہور فرمانے

کی حاجت بھی نہایت شدید تھی۔

اور وہ جو بعض شیعوں نے مسجدِ قبا کے دروازہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کو نقل کیا ہے، خالص بہتان اور افترا محض ہے۔ خلاصہ یہ کہ صحابہ اور اہلبیت جیسے بزرگوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر نہ ہونا اور ان کے بعد والوں کے لئے ظہور فرمانا اس قبیلہ سے ہے جس کی ایسی توجیہ ضروری ہے جس سے اہلِ فہم حضرات کو قناعت حاصل ہو جائے۔ اور مجھے یہ بات کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ میں یہ کہہ دوں کہ وہ تمام واقعات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر و باہر تشریف لانے کے متعلق صوفیائے کرام سے منقول ہیں وہ نعوذ باللہ سب کے سب جھوٹ ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں۔ یہ بات اس لئے زیب نہیں دیتی کہ ان واقعات کی حکایت اور دعویٰ کرنے والے اتنے کثیر اور جلیل القدر حضرات ہیں جن کے متعلق اس قسم کی سوءظنی کسی طرح ممکن نہیں اور اسی طرح مجھے یہ بات بھی گوارا نہیں کہ میں یہ کہہ دوں کہ جن حضرات نے رسول اللہ علیہ وسلم کو ظاہر و باہر دیکھا شاید انہوں نے حضور کو خواب میں دیکھا اور وقت کی قلت اور نیند کی خفت کیوجہ سے یہ گمان کر لیا کہ ہم نے بیداری میں حضور کی زیارت کی ہے۔ یہ بات اس لئے گوارا نہیں کہ یہ بہت ہی بعید ہے اور غالباً ان حضرات کا کلام بھی اس تاویل سے صاف انکار کرتا ہے۔

(اس اشکال کے حل میں) میری غایت گفتگو یہ ہے کہ یہ رؤیت جو صوفیاء کے لئے واقع ہوئی یہ معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء کی طرح خوارقِ عادت سے ہے اور خوارقِ عادت کا ظہور صدر اول یعنی صحابہ کرام کے زمانہ میں آفتابِ رسالت کے قربِ زمانہ کی وجہ سے بہت ہی قلیل تھا اور حقیقت یہ ہے کہ آفتاب کی شعاعوں میں ستارے کب نظر آسکتے ہیں اور جب آفتابِ عالمتاب کی شعاعیں میدانوں میں پھیلی ہوئی ہوں تو کوئی ستارہ کس طرح ظاہر ہو سکتا ہے۔ تو ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بعض صحابہ کرام کے لئے نادر طور پر واقع ہوا ہو اور بہ تقاضائے مصلحت اس کا اظہار نہ کیا گیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام کی آزمائش کی حکمت یا خوفِ فتنہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور واقع ہی نہ ہوا ہو۔ یا جمالِ نبوت کا ظاہر نہ ہونا اس بناء پر ہو کہ اس وقت قوم میں ایسے لوگ موجود تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے کی طرح تھے (جس سے انوارِ نبوت کی شعاعیں چمکتی تھیں) یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور نہ فرمانے کی وجہ یہ ہو کہ لوگ اپنے مہمات

کو حل کرنے کے لئے کتاب و سنت کی طرف متوجہ رہیں اور اجتہاد کا دروازہ فراخ ہو جائے اور شریعتِ مطہرہ پھیل جائے اور اس حجتِ شرعیہ کی عظمت قائم ہو جائے جسے ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے (اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر ظاہر ہو کر تمام امور میں خود ہی راہنمائی فرماتے رہتے تو امتِ مسلمہ کتاب و سنت کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوتی اور شریعتِ مطہرہ ہرگز نہ پھیلتی اور کتاب و سنت میں اجتہاد کی کوئی ضرورت نہ رہتی اور اس طرح تمام شریعتِ اسلامیہ اور دینِ متین بالکل بے معنے ہو کر رہ جاتا) یا اس کے علاوہ اس قسم کی دوسری حکمتوں پر عدمِ ظہور مبنی ہے ۔

اور لبسا اوقات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا دعوے بھی کیا جا سکتا ہے یعنی کہا جا سکتا ہے کہ صدرِ اول میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (مذکور حکمتوں کی بنا پر) اپنے ظہور میں بھی ایک گونہ پردہ پوشی کی شان میں رہے جیسا کہ مروی ہے کہ کسی صحابی کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا دیکھوں ۔ وہ صحابی ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے ۔ حضرت ام المؤمنین نے اس صحابی کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ مبارک نکال کر رکھ دیا ۔ اس صحابی نے جب اس آئینہ میں نظر کی تو اسے اپنی صورت بالکل نظر نہ آئی بلکہ اپنی شکل کی بجائے اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صورت کو دیکھا ۔ پس یہ رویت اسی ظہور کی طرح ہے جس کا صوفیائے کرام دعوے کرتے ہیں ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صوفیائے کرام کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بالکل بے حجاب ہے اور یہ ظہور آئینہ کے پردہ میں ہے اور اس آئینہ کے ظہور کو محض خیالی صورت قرار دینا بالکل لغو ہے جیسا کہ ابنِ خلدون نے گمان کیا ہے بلکہ یہ صورتِ مبارکہ جو صحابی نے آئینہ میں دیکھی حضور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی اصلی صورتِ مبارکہ تھی ۔

اب معترض کو واضح ہو گیا کہ یہ اعتراض اہلِ علم کی نگاہوں میں کیا وقعت رکھتا ہے ۔ نیز حاضر و ناظر کے مسئلہ پر میں نے شیخ اجل حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ان کے مکتوبات سے نقل کیا ہے کہ باوجود کثرتِ اختلافاتِ امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کے ایک فرد نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر شائبہ مجاز اور بلا توہم تاویل حقیقتِ حیات کے ساتھ دائم و باقی اور اعمالِ امت پر حاضر و ناظر ہیں ۔ اس قول پر اعتراض کرنیوالے

کی جرأت بھی قابلِ داد ہے کہ بقول حضرت شاہ صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کر سکتا۔ اب معترض کو اپنے امتی ہونے کی خیر منانی چاہیئے۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک "حاضر و ناظر" کے مسئلہ میں امتِ محمدیہ کے کسی ایک فرد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ شاہ صاحب کے زمانے کے بعد کسی کا اختلاف شاہ صاحب کے قول کو باطل نہیں کر سکتا بلکہ اختلاف کرنے والے کے امتی ہونے کا بطلان کر سکتا ہے۔

اور یہ اعتراض کہ شاہ صاحب تو صرف امت کے اعمال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مان رہے ہیں اور آپ تمام کائنات پر حضور کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں تو اس کے جواب میں مخلصانہ گزارش ہے کہ اگر حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ اپنے مسلم بزرگوں میں شمار کرتے ہیں تو صرف اتنا ہی مان لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعمالِ امت پر حاضر و ناظر ہیں۔ صرف اتنے سے اقرار پر یہ مسئلہ طے ہو جاتا ہے۔

سنیئے! کہ اگر امت کو امتِ اجابت اور امتِ دعوت دونوں کے لئے عام رکھا جائے اور ابتدار سے انتہا تک تمام کائنات کے احوال کو نگاہِ رسالت پر منکشف مانا جائے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ خود تصریح فرما رہے ہیں تو اس میں کونسا استحالہ لازم آتا ہے؟ دیکھیئے مدارج النبوۃ جلد ا صـــ پر ہے:

"ہرچہ در دنیا است از زمانِ آدم تا نفخۂ اولیٰ بروے صلی اللہ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوالِ اورا از اول تا آخر معلوم گردید۔"

یعنی آدم علیہ السلام کے زمانے سے نفخۂ اولیٰ تک جو کچھ دنیا میں ہے سب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرما دیا یہاں تک کہ اول سے آخر تک تمام احوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ان میں سے بعض کی خبر دی۔

یہ مضمون حدیثِ طبرانی سے بھی نقل کیا جا چکا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا : ان اللہ قد رفع لی الدنیا وانا انظر الیہا والی ما ھو کائن فیہا الحدیث ۔ پھر اس پر بھی غور فرمائیں کہ یہی شاہ عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ حقیقتِ محمدیہ کو ذرات کائنات میں جاری وساری کر چکے ہیں جیسا کہ اشعۃ اللمعات سے نقل ہو چکا ہے ۔ الغرض دلائلِ شرعیہ اور خود حضرت شاہ عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات اس امر پر شاہد ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام احوالِ کائنات پر حاضر و ناظر ہیں ، وللہ الحمد !

اس مضمون کی مزید وضاحت کے لئے مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۷۸۶ مطبوعہ نول کشور سے ایک اور عبارت نقل کرتا ہوں ملاحظہ فرمایئے :

"بدانکہ وے صلی اللہ علیہ وسلم می بیند و می شنود کلامِ ترا زیرا کہ وے متصف است بصفات اللہ تعالیٰ ویکی از صفاتِ الٰہی آن است کہ انا جلیس من ذکرنی وپیغمبر را صلی اللہ علیہ وسلم نصیبِ وافر است ازیں صفت ۔"

یعنی اے مخاطب ! جاننا چاہیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تجھے دیکھتے ہیں اور تیرا کلام سنتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہیں اور صفاتِ الٰہیہ میں سے ایک صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیثِ قدسی میں فرماتا ہے کہ جو مجھے یاد کرے میں اس کا جانشین ہوں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے پورا پورا حصہ ملا ہے، لہٰذا حضور بھی اپنے یاد کرنے والے کے ہمنشین ہیں ۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آخری وصیت بھی سن لیجئے فرماتے ہیں :

"وصیت می کنم ترا اے برادر بدوام ملاحظہ صورت و معنی او اگرچہ باشی متکلف و مستحضر پس نزدیک است کہ الفت گیرد روحِ تو بوے ۔ پس حاضر آید ترا وے صلی اللہ علیہ وسلم

"اے بھائی میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تو ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و معنی کا ملاحظہ یعنی تصور کرتا رہے ۔ اگرچہ اس تصور میں تجھے تکلف بھی کرنا پڑے

عیاناً و یابی او را و حدیث کنی باوے وجواب وہد ترا او حدیث گوید باتو وخطاب کند ترا، پس فائز شوے بدرجہ صحابہ عظام ولاحق شوے بہ ایشاں انشاء اللہ تعالیٰ"

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۷۸۹ مطبوعہ نول کشور)

تیری روح بہت جلد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس ہو جائے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے سامنے ظاہر و باہر رونق افروز ہوں گے تو حضور کو پائے گا اور حضور سے باتیں کریگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تجھے جواب دیں گے اور تجھ سے گفتگو اور خطاب فرمائیں گے پس تو صحابہ کرام کے درجہ پر فائز اور انشاء اللہ ان سے لاحق ہو گا"

یعنی صحابیت کا ظاہر حکم نہیں بلکہ یہ درجہ تجھے نصیب ہو گا۔ سبحان اللہ! حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حاضر و ناظر کے مسئلے کو کس قدر واضح فرمادیا و للہ الحجۃ البالغۃ۔

حاضر و ناظر کے مسئلے پر یہ اعتراض کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ذراتِ کائنات پر حاضر و ناظر مانا جائے تو ہر ناپاک، نجس، گندی، خبیث، بری اور حرام چیزوں پر بھی حضور حاضر و ناظر ہوں گے اور حقیقتِ محمدیہ کے جلوے ان میں بھی پائے جائیں گے، بتائیں کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی شدید توہین ہے۔

لوگ پیشاب پاخانہ پھرتے ہیں، جنسی تقاضے پورے کرتے ہیں، ایسے شرمناک مواقع پر بھی آپ حضور کو حاضر و ناظر سمجھیں گے۔ طبقاتِ جہنم، کفار و مشرکین، شیاطین وغیرہ میں بھی حضور کی حقیقت کے جلوے ضرور ہوں گے۔ کیا کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسا اعتقاد رکھ سکتا ہے۔ حضور کی تعظیم و توقیر کے مدعی غور کریں کہ یہ عقیدہ اس دعوے کے سراسر خلاف اور منافی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام قباحتیں اس وقت لازم آسکتی تھیں جبکہ ہم حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت مطہرہ کے ساتھ حاضر و ناظر تسلیم کرتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت مقدسہ کے ساتھ ہرگز حاضر و ناظر تسلیم نہیں کرتے بلکہ حضور کی نورانیت و روحانیت اور حقیقت مبارکہ کے ساتھ حضور کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔

معترض نے بشریت اور حقیقت و نورانیت کو ایک سمجھ لیا ہے۔ یہ بنیادی غلطی ہے عالم شہادت اور مادیات وجسمانیات کے ضمن میں نجاست و خباثت، معصیت وقباحت وغیرہ کے جو تصورات پیش کئے گئے ہیں اور ان کے خبیث و ناپاک اثرات کو حقیقت و نورانیت محمدیہ پر اثر انداز قرار دیا گیا ہے، بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ مادی اور جسمانی کیفیات نورانی حقیقتوں پر اثر انداز نہیں ہوا کرتیں، آفتاب و ماہتاب کی شعاعیں بول و براز پر پڑنے سے ناپاک نہیں ہو جایا کرتیں۔ خود آپ کی اپنی نگاہیں جب کسی نجاست پر پڑتی ہیں تو وہ ناپاک نہیں ہوتیں۔ ہزاروں مرتبہ آپ کی نظر ناپاک چیزوں پر پڑی ہو گی لیکن ایک دفعہ بھی آپ نے اپنی آنکھوں کو ناپاک قرار دے کر ان کو نہیں دھویا۔ جب آنکھوں کے نور اور آفتاب و ماہتاب کی نوری شعاعوں کو یہ نجاستیں ناپاک نہیں کر سکتیں تو انوارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شعاعوں پر یہ مادی نجاستیں کیونکر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کے جلوے ذراتِ کائنات میں جاری و ساری ہیں، جیسا کہ متعدد کتبِ معتبرہ اور مسلم اکابر کی عبارات سے ظاہر ہے لیکن اس پر یہ شبہ وارد کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ خبیث اور ناپاک چیزیں حضور کے جلووں کو ناپاک کر دیں گی حضور کے جلووں کو تو ذراتِ کائنات میں نہیں مانا جاتا لیکن جلوہ ہائے قدرت کو ہر فردِ عالم اور ذرہ کائنات میں ضرور تسلیم کیا جاتا ہے اور قرآن کریم کی روشنی میں اس بات کو ضرور ماننا پڑے گا کہ کائنات کے ہر ذرہ میں قدرتِ خداوندی کے چمکتے ہوئے نشانات پائے جاتے ہیں۔ کوئی چیز اچھی ہو یا بری، پاک ہو یا ناپاک، دنیا کی ہو یا آخرت کی، ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی صنعت و خالقیت اور اس کی قدرت کے جلوے چمک رہے ہیں۔ ہر ذرہ اس کی قدرت کی دلیل اور ہر قطرہ اس کی حکمت کا نشان اور ہر تنکا اس کی وحدانیت کی آیت ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے :

ان فی خلق السمٰوات و الارض واختلاف اللیل
و النهار و الفلک التی تجری فی البحر بما ینفع
الناس وما انزل اللّٰه من السماء من ماء فاحیا
به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دابّة
و تصریف الریاح و السحاب المسخر بین السماء
والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون ہ

ترجمہ :۔ "بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کی آمد و رفت میں اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں (مالِ تجارت) لے کر سمندر میں چلتی ہیں اور بارش میں جسے اللہ تعالیٰ آسمانوں سے نازل کرتا ہے. پھر اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور ہر قسم کے جانور جو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے ادھر ادھر پھرنے میں اور ان بادلوں میں جو خدا کے حکم سے زمین و آسمان کے درمیان گھرے رہتے ہیں ان سب چیزوں میں عقل رکھنے والوں کے لئے قدرتِ الٰہیہ کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں"

یہ قرآنی بیان اس دعویٰ پر شاہد و عادل ہے کہ ہر ذرہ کائنات میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں اور اس کی حکمت کے جلوے موجود ہیں۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے شاید اسی آیہ کریمہ کے پیش نظر فرمایا ہے ؎

برگِ درختاں سبز در نظر ہوشیار !
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اب بتائیے ! یہ تمام جلوہ ہائے قدرت نجس اور خبیث چیزوں کی ناپاک اور خباثت سے متاثر ہو رہے ہیں اور یہ نجاست و خباثت جس کا تعلق محض ایک خاص تعین اور ظاہری صورت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے جلووں اور قدرت کی آیتوں کو نعوذ باللہ ناپاک کر رہی ہے ؟ نہیں اور ہرگز نہیں ! جب خدا کے جلوں کو یہ چیزیں ناپاک نہیں کر سکتیں تو مظہرِ خدا حضرتِ محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلووں کو کس طرح ناپاک کر سکتی ہیں۔

جلوہ ہائے حقیقتِ محمدیہ کے ناپاک اور خبیث چیزوں میں پائے جانے کی وجہ سے اگر آپ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں حضور کی توہین ہے تو ذرا اس امر پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کے پندرہویں پارے میں ارشاد فرماتا ہے وان من شیئ الا یسبح بحمدہٖ ولٰکن لا تفقھون تسبیحھم اور تسبیح کے متعلق علمائے اعلام و مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ تسبیح حقیقی ہے جیسا کہ مفردات امامِ راغب مطبوعہ صفحہ ۲۲۰ پر مرقوم ہے فذلک یقتضی ان یکون تسبیحا علی الحقیقۃ یعنی دلائل و قرائن کا تقاضا یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں تسبیح حقیقت پر محمول ہو یعنی تسبیح قولی حقیقی مراد لی جائے اور صرف امام راغب ہی نہیں بلکہ علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ تفسیر روح المعانی پارہ ۱۵ صفحہ ۷۹ پر تسبیح قولی حقیقی پر احادیث و آثارِ کثیرہ نقل فرما کر لکھتے ہیں: الی ما لا یکاد یحصی من الاخبار والاٰثار وھی بمجموعھا متعاضدۃ فی الدلالۃ علی ان التسبیح قال کما لا یخفی وھو مذھب الصوفیۃ یعنی بے شمار احادیث اور آثار مجموعی قوت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ جس تسبیح کا ذکر فرما رہا ہے وہ تسبیح قالی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور یہی صوفیہ کا مذہب ہے۔"

اس کے بعد صفحہ ۸۰ پر فرماتے ہیں:

ولعل الاولی فیہ ان یلتزم التسبیح علی ما ھو الاعم من الحالی والقالی ویثبت کلا النوعین لکل شیئ۔

یعنی اولیٰ یہ ہے کہ یہاں تسبیح سے عام تسبیح مراد لی جائے جو حالی اور قالی دونوں کو شامل ہو اور دونوں قسم کی تسبیح ہر شے کے لئے ثابت کی جائے۔

ان عبارات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ عالم کا ہر ذرہ (خواہ وہ پاک ہو یا ناپاک خبیث ہو یا طیب) حالی اور قالی تسبیح حقیقی میں مصروف ہے اب صرف اتنی بات غور طلب ہے کہ یہ تسبیح ناپاک اور خبیث چیزوں میں پائے جانے کی وجہ سے کہیں ناپاک تو نہیں ہو گئی۔ اگر تسبیحِ خداوندی ہر ناپاک اور خبیث چیز میں پائی جا سکتی ہے تو جلوہ ہائے حقیقتِ محمدیہ کا پایا جانا کیوں قابلِ اعتراض ہے؟ نجاست جس قسم کی ہوتی ہے اسی قسم کی اشیاء میں اثر کرتی ہے۔ دیکھئے مشرکین نجس ہیں،

لیکن اگر کوئی مشرک اپنا صاف ستھرا ہاتھ پاک پانی میں ڈال دے تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا حالانکہ شرک ناپاک ہے۔ اس پانی کے ناپاک نہ ہونے کی وجہ صرف یہی ہے کہ پانی اس عالمِ اجسام کی قسم سے ہے اور مشرک کی نجاست محض اعتقادی ہے، امورِ اعتقادیہ عالمِ اجسام کی قسم سے نہیں لہٰذا یہ نجاست پانی میں اپنا اثر نہیں کر سکتی بخلاف جسمانی نجاست کے کہ وہ اشیاءِ جسمانیہ کو متاثر کرے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت عالمِ امر بلکہ اس سے بھی بالاتر ہے اور یہ نجاست وخباثت کے آثار صورِ جسمانیہ سے متعلق ہیں جو عالمِ خلق کی چیز ہے۔ اب بتائیے کہ شرک کی اعتقادی نجاست پانی کو ناپاک نہیں کر سکتی تو یہ نجاستیں حضور کے نور کو کس طرح ناپاک کر سکتی ہیں۔ آفتاب وماہتاب شعاعِ بصری اور چراغوں کی روشنی رات دن نجس اور ناپاک چیزوں پر پڑتی ہے مگر ناپاک نہیں ہوتی۔ آپ اندازہ کیجئے کہ جو نجاست مذکورہ روشنی اور اس کی شعاعوں کو ناپاک نہیں کر سکتی وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نورانی جلووں کو کیونکر ناپاک کر سکے گی جس طرح یہ نجاست اپنی ہی نوع کی چیزوں کو متاثر کر سکتی ہے اسی طرح اس کا ازالہ بھی ایسی ہم جنس اشیاء سے ہو سکتا ہے۔

اعتقادی نجاست پانی سے دور نہیں ہو سکتی خواہ تمام دنیا کے سمندر مشرک کو پاک کرنے کیلئے صرف کر دیے جائیں لیکن وہ پاک شہ ہوگا اسکی پاکی کلمہ طیبہ کی تصدیق پر موقوف ہے اگر وہ سچے دل سے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے تو جو نجاست دنیا کے پانیوں سے دور نہیں ہو سکتی وہ ایک آن میں زائل ہو سکتی ہے اب اگر کوئی بے وقوف اس کلمۂ طیبہ کو جسمانی نجاست کے ازالہ کے لئے استعمال کرے اور ناپاک جسم یا نجس کپڑے پر کلمہ شریف پڑھ کر پھونکنا شروع کر دے اور یہ خیال کرے کہ یہ کلمہ تو ایسا ہے کہ سات سمندروں سے جو چیز پاک نہ ہو سکے وہ اس سے پاک ہو جاتی ہے۔ یہ ماشہ بھر نجاست اس کے سامنے کیا حقیقت رکھ سکتی ہے تو کیا اس بے وقوف کا خیال صحیح ہوگا؟ یقیناً نہیں۔ اس جسمانی نجاست کے ازالہ کے لئے بہرصورت اس کو پانی ہی استعمال کرنا پڑے گا۔ جو اس عالمِ اجسام کی چیز ہے۔ معلوم ہوا کہ عالمِ شہادت کی نجاستیں اسی عالمِ شہادت کی اشیاء کو متاثر کر سکتی ہیں اور جو نجاستیں جسمانیات سے الگ ہیں ان کا اثر جسمانیات پر نہیں ہو سکتا۔ پاکی اور ناپاکی کے اس فلسفے کو ذہن میں رکھ کر اگر آپ حاضر و ناظر کے مسئلہ کو سوچیں تو کوئی الجھن آپ کے ذہن میں باقی نہ رہے۔

مزید وضاحت کے لئے عرض کر دوں کہ نجاست کا حکم حقیقت پر نہیں لگ سکتا۔ بول و براز کو کھاد کی صورت میں کھیتوں میں ڈالا جاتا ہے۔ اناج اور سبزیوں کے پودے انہیں اجزائے نجاست کو جڑوں کے راستے سے اپنے اندر جذب کرتے ہیں اور وہ تمام نجس اثرات اور ناپاک اجزاء ان پودوں میں جذب ہونے کے بعد اناج، سبزیوں اور میوہ جات وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں جن کو آپ بھی پاک سمجھ کر تناول فرماتے ہیں اور یہ کبھی خیال نہیں فرماتے کہ یہ وہی نجاستوں کے ڈھیر ہیں، جن کو ایک نظر دیکھنا بھی مکروہ تھا۔ آج وہ دسترخوان کی زینت بن کر آپ کے حلقوم شریف کی راہوں سے گزر کر شکمِ اقدس میں رونق افروز ہیں۔ اگر آپ غور فرمائیں تو ان مسائل کے لئے آپ کو قرآن کی روشنی میں وہ تمام مواد ملے گا جس کو میں نے چند لفظوں میں پیش کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سنریھم ایاتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق ط دیکھئے میں نے آفاق و انفس دونوں کی نشانیاں پیش کر کے آپ کو بتا دیا کہ جلوہ ہائے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان ناپاکیوں کے اثرات سے متاثر نہیں ہو سکتے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دنیا کی ناپاک اور خبیث چیزیں یا جہنم کے طبقات ہوں یا کفار و مشرکین کی ذوات ہوں، کو ماننا پڑے گا کہ ان سب چیزوں میں خدا کی شانِ جلال و کمال اور اس کی صفت و قدرت کے کمال کے وہ نمونے پائے جاتے ہیں جو کھلی ہوئی آیات اور روشن نشانیاں ہیں جب ان خباثت و نجاست کے اثرات جلوہ ہائے جلال و جمالِ خداوندی پر اثرانداز نہیں ہو سکتے تو حقیقتِ محمدیہ کے جلوے بھی تو جمالِ خداوندی ہی کے جلوے ہیں۔ ان کو یہ چیزیں کیسے متاثر کر سکتی ہے؟

آیہ کریمہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی سے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر اعتراض کرنا بھی عجیب مضحکہ خیز بات ہے۔ مسلمان کا ایک بچہ بھی اس حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ بلند آواز سے بولنے میں اگر حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تکلیف پانے یا سرکار کی بے ادبی کا کوئی تصور نہ ہو سکتا ہو تو وہ رفعِ صوت اس نہیِ قرآنی کے تحت نہیں آتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں حضور کے سامنے ایسا رفعِ صوت حدیث میں وارد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاذی (تکلیف پانے) اور بے ادبی کے شائبہ سے پاک تھا۔ جب حیاتِ ظاہری میں اس قسم کا رفع صوت ناجائز نہیں تو بعد الوفات کس طرح ناجائز ہوگا۔ یاد رکھئے جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاذی (تکلیف پانے) یا استہانت (بے ادبی ہونے) کا تخیل نہ ہو اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رفعِ صوت ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کوئی چیز اس تاذی یا استہانت کے تخیل کا موجب ہو سکے تو ایسی صورت میں رفعِ صوت ناجائز ہوگا۔ مثلاً روضۂ اطہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا، اس کے بعد دوسرے درجے میں حدیث شریف کی قرارت کا موقعہ یا پھر اس سے بھی نیچے مرتبے میں عالمِ دین کی موجودگی کا ہونا رفعِ صوت کے ناجائز ہونے کا سبب قرار پائے گا، کیونکہ یہ تمام مواقع ایسے ہیں کہ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تکلیف پانے یا حضور کی بے ادبی ہونے کا تخیل ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں اس تخیل کا امکان نہ ہو وہاں بھی رفعِ صوت کو ناجائز کہنا دلائل شرعیہ کے خلاف ہے۔ ملاحظہ فرمائیے بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جب آیہ کریمہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی آواز بہت بلند تھی، گھر میں بیٹھ رہے جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ بارگاہِ رسالت میں کیوں حاضر نہیں ہوتے تو انہوں نے کہا و لقد علمتم انی ارفعکم صوتا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اهل النار کہ تم جانتے ہو کہ میں تم سب میں زیادہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی آواز پر بلند آواز کرنے والا ہوں اس لئے (آیہ کریمہ کی رو سے) میں اہل نار سے ہوں " حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ان کے حق میں ارشاد فرمایا: بل هو من اهل الجنة وہ اہلِ نار سے نہیں بلکہ اہلِ جنت سے ہیں۔ دیکھئے حضور کی حیاتِ ظاہری میں حضرت ثابت بن قیس کا رفعِ صوت ناجائز قرار نہ پایا محض اسلئے کہ وہ تخیل تاذی و استہانت سے پاک تھا۔

اور سنئے روح المعانی پ ۲۶ صـ ۱۳۴ پر ہے:

ثم ان من الجھر مالم یتناولہ النھی بالاتفاق وھو ما کان منھم فی حرب او مجادلۃ معاندا وارھاب عدو او ما اشبہ ذلک مما منہ تاذ او استھانۃ ففی الحدیث انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال للعباس بن عبد المطلب لما ولی المسلمون یوم حنین ناد اصحاب السمرۃ فنادی باعلیٰ صوتہ این اصحاب السمرۃ لکان رجلا میتا یروی ان غارۃ اتتھم یوما فصاح العباس یاصباحاہ فاسقطت الحوامل لشدۃ صوتہ۔

پھر جہر (بلند آوازی) کی بعض وہ صورتیں ہیں جن کو نہیِ قرآنی بالاتفاق شامل نہیں اور وہ وہ صورتیں ہیں جن میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تکلیف پانے یا حضور کی بے ادبی ہونیکا خیال تک پیدا نہ ہو سکے مثلاً لڑائی یا مجادلہ یا دشمن کے ڈرانے وغیرہ کے مواقع پر (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں) آواز بلند کی جائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب غزوہ حنین کے دن مسلمان میدانِ جہاد میں چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبد المطلب سے فرمایا کہ اصحابِ سمرہ یعنی بیعت الرضوان کو آواز دو تو حضرتِ عباس نے بڑی اونچی آواز سے فرمایا کہاں ہیں اصحابِ سمرہ! اور حضرتِ عباس بڑے بلند آواز تھے۔ مروی ہے کہ ایک دن کچھ لٹیرے آ پڑے تو حضرتِ عباس نے "یاصباحاہ" کہہ کر پکارا تو ان کی شدتِ آواز کی وجہ سے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو گئے۔"

روح المعانی کی بعینہٖ یہی عبارت مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی نے فتح الملہم جلد اول صـ ۲۷۰ پر نقل کر کے ہمارے اس جواب پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی، وللہ الحمد۔

ایک آیت سورۂ آلِ عمران کی دو اور آیتیں سورہ قصص کی معارضے میں پیش کی جاتی ہیں جن کا ماحصل ایک ہی ہے کہ آپ حضرتِ مریم کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی کرنے والوں کے پاس نہ تھے جب کہ وہ اپنے قلم ڈالتے تھے اور آپ اہلِ مدین میں مقیم نہ تھے اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی تو آپ کوہ طور کی جانب میں نہ تھے۔ ایک

یہ آیت بھی پیش کی جاتی ہے :

وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الیٰ موسی الامر و ما کنت من الشاھدین ۔ (قصص)

جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحیٔ رسالت فرمائی تو آپ جانبِ غربی میں نہ تھے اور آپ شاہدین میں سے نہ تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کو یہ سب الجھنیں اس لئے پیش آتی ہیں کہ وہ حاضر و ناظر کے مسئلہ میں اہلِ حق کے مسلک کو نہیں سمجھ سکا۔ ان آیات کا کوئی لفظ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے مسئلہ کا معارض نہیں۔ اہلِ سنت کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت و نورانیت کے ساتھ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور آیاتِ قرآنیہ کا مفاد یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی جسمانیت کے ساتھ ان مقامات پر موجود نہ تھے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ جسمانی طور پر موجود نہ ہونا روحانی طور پر موجود ہونے کے کس طرح معارض ہو سکتا ہے۔ آپ کی پیش کردہ آیات کی جو توجیہ میں نے کی ہے اس پر علامہ صاوی آپ کی پیش کردہ سورہ قصص کی آیات کے تحت ارقام فرماتے ہیں :۔

وھذا بالنظر للعالم الجسمانی لاقامۃ الحجۃ للخصم و اما بالنظر للعالم الروحانی فھو حاضر رسالۃ کل رسول وما وقع لہ من لدن اٰدم الیٰ ان ظھر بجسمہ الشریف ولکن لا یخاطب بہ اھل العناد۔

خلاصہ یہ ہے کہ ارسالِ رسل اور ان کے زمانۂ رسالت کے واقعات پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و موجود نہ ہونا عالمِ جسمانی کے اعتبار سے ہے یعنی ان واقعات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی حضور نہ تھا اور اگر عالمِ روحانی کے اعتبار سے نظر کیجائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر اپنے زمانہ تک ہر رسول کی رسالت اور تمام واقعات پر حاضر ہیں یہاں تک کہ حضور نے اپنی جسمانیتِ مطہرہ کے ساتھ ظہور فرمایا لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ اہلِ عناد کو خطاب نہیں کیا جا سکتا۔"

سبحان اللہ! اس عبارت نے معترض کے استدلال کو ہباءً منثورًا کر دیا اور اس

حقیقت کو واضح کر دیا کہ دلائلِ شرعیہ یا عباراتِ کتبِ معتبرہ میں جہاں بھی اس قسم کا مضمون وارد ہے اس کے یہی معنیٰ متعین ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری اور جسمانی طور پر موجود نہیں ورنہ نورانی و روحانی طور پر عالم کے ہر ذرے میں ان کے جلوے چمک رہے ہیں ؎

آنکھ والا تیرے جلوے کا تماشہ دیکھے

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

معترض کے استدلال بالقرآن کی حقیقت واضح ہو چکی۔ اب اس کے استدلال بالحدیث کا جواب عرض ہے۔ معترض حاضر و ناظر کے عقیدے کے خلاف حدیثِ معراج سے بھی معارضہ کرتا ہے لیکن یہ بھی درحقیقت ایک مغالطہ ہے اور اس کی وجہ بھی ہمارے مسلک کو صحیح طور پر نہ سمجھنا ہے۔ معراجِ جسمانی میں لفظِ جسمانی ہی میں اعتراض موجود ہے۔ جب معراج جسمانی ہوئی تو آنا جانا بھی جسمِ اقدس ہی سے متعلق ہوا۔ جہاں سے حضور چلے وہاں سے حضور کی جسمانیت منتقل ہوئی اور جہاں پہنچے وہاں جسمانیت پہنچی، جہاں سے آئے جسمانیت وہاں سے روانہ ہوئی۔ اس ضمن میں جو جگہ حضور سے خالی ہوئی وہ حضور کی نورانیت اور روحانیت سے نہیں بلکہ حضور کی بشریت اور جسمانیت سے خالی ہوئی جب ہم جسمانیت اور بشریت کے ساتھ حضور کے حاضر ناظر ہونے کے قائل نہیں تو حدیثِ معراج ہمارے دعویٰ کے کس طرح معارض ہو سکتی ہے۔

اب صرف ایک اعتراض باقی رہ گیا ہے اور وہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے یعنی یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو من زار قبری وجبت له شفاعتی کے کیا معنیٰ ہوں گے اور مدینہ جانے کی کیا ضرورت باقی رہے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبر شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشریتِ مطہرہ کے ساتھ رونق افروز ہیں اور ظاہر ہے کہ بشریت ایک محدود چیز ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور نورانیت تمام عالم میں موجود ہے لیکن جب تک اس کی صحیح معرفت کے بعد قربِ روحانی حاصل نہ ہو اس وقت تک کوئی شخص اس روحانیتِ مقدسہ کے حاضر و موجود ہونے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اہلِ کمال کو تو ہر وقت حضور کا قرب نصیب ہے لیکن وہ گنہ گارانِ امت جو بشریت کی حدود سے متجاوز ہو کر عالمِ روحانیت تک نہیں پہنچے ان کے لئے اگر قبر شریف کا سہارا نہ ہو تو ان کے لئے پناہ کی کونسی جگہ ہے!

قیدِ بشریّت والوں کے لئے ان کی بشریتِ مطہرہ جائے پناہ ہے اور اہلِ روحانیت کے لئے ان کی روحِ اقدس ملجا و ماویٰ ہے۔ مختصر یہ کہ حدیث من زار قبری میں دور افتادوں کے لئے مژدہ شفاعت ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ میں اپنی جسمانیتِ مقدسہ کے ساتھ قبرِ انور میں زندہ رونق افروز ہوں۔ جس طرح میری حیاتِ ظاہری میں میری بارگاہ میں حاضر ہونے والا کبھی محروم نہیں ہوا بالکل اسی طرح بعد الوصال بھی میرا فیض جاری ہے۔ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ میں حاضر و ناظر نہیں۔ بشریّتِ مقدسہ کے ایک جگہ رونق افروز ہونے سے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر کس طرح زد پڑ سکتی ہے۔ جسمانیّتِ مطہرہ حیاتِ حقیقیہ کے ساتھ قبرِ انور میں جلوہ گر ہے اور روحانیّت و نورانیّت تمام اکوانِ عالم میں موجود ہے ؎

کالشمس فی کبد السماء وضوءها

یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

جس طرح سورج کے آسمان پر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین پر اس کی روشنی نہ ہو اسی طرح قبرِ انور میں جسمانیّتِ شریفہ کے پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آفاقِ عالم میں شمسِ رسالت کے انوار نہ ہوں۔ سورج آسمان پر ہی ہوتا ہے مگر اس کی شعاعیں ہر خطے کو روشن کرتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبۂ خضریٰ ہی میں ہیں لیکن اپنے انوار سے زمین و آسمان کو منور فرما رہے ہیں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

## ہماری بعض مطبوعات

### ۱ شہادت نواسہ سید الابرار

تصنیف مولانا عبدالسلام رضوی

اہل بیت عظام - خلفائے راشدین - ازواج مطہرات شہداء کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مفصل حالات و فضائل و معرکہ کربلا پر مستند تذکرہ مع حوالہ جات کتب معتبرہ از قرآن و احادیث مزارات مقدسہ کی تصاویر سے مزین - اعلیٰ کتابت - بہترین سفید کاغذ آفسٹ طباعت - ڈائی دار مضبوط جلد - قیمت ۷۵ روپے

---

### ۲ دیوبندی مذہب

تصنیف مناظر اسلام مولانا غلام مہر علی صاحب

(چشتیاں شریف)

جس میں دیوبندیوں کے صحیح خد و خال - عقائد و اعمال و اخلاق - ہنود اور انگریز سے گٹھ جوڑ و تنخواہ دار ہونے کا تذکرہ ان کی مستند کتب کے حوالہ جات سے کیا گیا ہے - قاری حضرات کو شکوک و شبہات کے دلدل سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن کرتی ہے - مضبوط ڈائی دار جلد - سفید کاغذ - طباعت آفسٹ بڑا سائز - قیمت ۶۶ روپے

## مکتبہ حامدیہ

۳ - گنج بخش روڈ - لاہور